کتاب وسنت اور اسلافِ امت کی تعلیمات کا علمبردار

ماہنامہ

اشرف الجرائد حیدرآباد

Volume:13 Issue:9 September 2020

مدیر

مولانا محمد عبد القوی

ادارہ اشرف العلوم ٹرسٹ حیدرآباد

www.idara.info

اشرف الجرائد میں شامل تمام مضامین کی تمام جزئیات سے مدیر کا اتفاق ضروری نہیں

آئینۂ مضامین

اشرف الجرائد کی توسیع و اشاعت میں حصہ لے کر اشاعتِ دین کا ثواب حاصل فرمائیں۔ ادارہ

درسِ قرآن



حبِّ صحابہؓ شرط ایمان ہے

مولانا محمد عبدالقادر فرید قاسمی*

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَالَّذِيْنَ جَاءُوْا مِنْ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْإِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ آمَنُوْا رَبَّنَا إِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿سورۃ الحشر: ۱۰﴾

ترجمہ: اور (یہ مال فئی) ان لوگوں کا بھی حق ہے جو ان (مہاجرین، انصار) کے بعد آئے، اور وہ یہ کہتے ہیں کہ: اے ہمارے رب! ہماری بھی مغفرت فرمائیے، اور ہمارے ان بھائیوں کی بھی جو ہم سے پہلے ایمان لا چکے ہیں، اور ہمارے دلوں میں ایمان لانے والوں کے لئے بغض نہ رکھئے۔ اے ہمارے رب! آپ بہت شفیق، بہت مہربان ہیں۔

تشریح: کفار و مشرکین سے حاصل ہونے والے مال دو طرح کے ہوتے ہیں، ایک مال غنیمت جو قتل وقتال کے بعد حاصل کیا جاتا ہے اور جس کی تقسیم مجاہدین میں کر دی جاتی ہے، دوسرا مال بغیر قتل وقتال کے حاصل ہوتا ہے جس کو مال فئی کہا جاتا ہے یہ خالص اللہ اور اس کے رسول کا حق ہوتا ہے؛ البتہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اس کے پانچ قسم کے مصارف بیان فرمائے ہیں، مذکورہ آیت میں پانچویں مصرف کو بیان کیا گیا ہے کہ مال فئی کے حق دار قیامت تک آنے والے وہ تمام مسلمان ہیں جو مہاجرین وانصار کے بعد آئے ہیں لیکن آیت میں یہ بات بالکل صاف طور پر واضح ہے کہ مال فئی کا استحقاق وہی مسلمان رکھتا ہے جس کی صفت صحابہ کرامؓ سے محبت اور ان کے لئے دعاء مغفرت کرنا ہے، اور اپنے دل کو ان کے کینہ سے پاک رکھنا ہے۔

معلوم یہ ہوا کہ صحابہؓ کے بعد آنے والی پوری امت مسلمہ کے قبولیت ایمان کی شرط اصحابؓ نبی سے بلا استثناء محبت اور ان کے لئے اِستغفار کرنا ہے، یہی وجہ ہے کہ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اسی آیت سے

استدلال کرتے ہوئے فرمایا کہ: شاتم صحابی مال فئی کا حصہ دار نہیں ہے۔

امام قرطبیؒ نے اسی آیت کو دلیل بناتے ہوئے لکھا کہ صحابہ کرامؓ کی محبت ہم پر واجب ہے۔ حضرت عائشہ فرماتی ہے کہ میں نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا لا تذھب ھذہ الامۃ حتی یلعن آخرھا أولھا یعنی یہ امت اس وقت تک ہلاک نہیں ہوگی جب تک اس کے پچھلے لوگ اگلوں پر لعنت وملامت نہ کرے۔

ہم ایسے دور سے گزر رہے ہیں جس میں بعض دریدہ دھن لوگ امت کے سامنے علی الاعلان مشاجرات صحابہؓ بیان کرکے قرنِ اول کی پاکیزہ جماعت کے ایمان وایقان کو اپنے کمزور معیار پر پرکھ کر اس مقدس جماعت کو ایمان ونفاق کے دو دھڑوں میں تقسیم کرنے کی فتنہ پرور کوشش میں ایسے لگے ہوئے ہیں جیسے دین کا اب یہی ایک کام باقی رہ گیا ہے۔ العیاذ باللہ

ڈیڑھ ہزار سال قبل زمانہ خیر ہی میں نبوی فراست نے یہ اندازہ لگالیا تھا کہ میرے اصحاب کی حجیت وسند کی چادر کو چاک کیا جائے گا اسی وقت آپ نے اس پر بندش لگادی تھی اذا ذکر اصحابی فامسکوا میرے اصحابؓ کے ذکر کے وقت اپنی زبانوں پر قابو رکھو۔ اس حدیث نے اصحابِ رسول سے متعلق ذکر خیر کے علاوہ ہر راستہ کو مسدود کردیا ہے، اس کے باوجود بھی اگر کوئی صحابہ کرامؓ کے مشاجرات، خطائیں (جو کہ مغفور ہوچکی ہیں) اور اجتہادی لغزشیں بیان کرکے لعن طعن کا دروازہ کھولے تو یہ اھل السنہ والجماعہ کے موقف، اسلاف امت کے نظریہ اور اجماع سے الگ ہے ہی لیکن مذکورہ حدیث کی بھی صریح خلاف ورزی ہے، لہذا تمام اصحاب رسول کے اختلافات کو اچھائی پر محمول کرنا، ہر ایک سے حسن ظن رکھنا، ان کے خطا وقتال کی تاویل کرنا، ایمان کا حصہ بھی ہے اور اجماعی موقف بھی ہے۔

لہذا اپنے ایمان کی حفاظت اسی میں ہے کہ ہم صحابہ کرامؓ کے ایمان اور ان کی حجیت کو اپنی کسوٹی پر ناتولیں حبِّ صحابہؓ کے ذریعہ اپنے ایمان کی خیر منائیں، ورنہ ان کے متعلق دریدہ دہنی سے کام لیا جائے گا تو ایسے لوگوں کے لئے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہم کو تعلیم دی اذا رأیتم الذین یسبون اصحابی فقولو العنۃ اللہ علی شرکم۔ یعنی جب تم ایسے لوگوں کو دیکھو جو میرے صحابہؓ کو بُرا بھلا کہتے ہیں تو تم کہہ دو کہ ''تمہارے شر پر اللہ کی لعنت ہو''۔

اعاذنا اللہ وایاکم من الاعتقادات المفسدۃ والاھواء المضلۃ



درس حدیث

موت سے پہلے حقوق کی ادائیگی کی فکر کرلیں

مولانا سید خواجہ نصیر الدین قاسمی*

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "اللَّهُمَّ إِنِّي أَتَّخِذُ عِنْدَكَ عَهْدًا لَنْ تُخْلِفَنِيهِ، إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ، فَأَيُّ الْمُؤْمِنِينَ آذَيْتُهُ أَوْ شَتَمْتُهُ، أَوْ جَلَدْتُهُ، أَوْ لَعَنْتُهُ فَاجْعَلْهَا لَهُ صَلَاةً، وَزَكَاةً، وَقُرْبَةً تُقَرِّبُهُ بِهَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ". (رواہ احمد 8199)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعا فرمائی: یا اللہ! میں آپ سے عہد لیتا ہوں، آپ اس کے خلاف نہ کیجئے گا، وہ یہ کہ میں ایک انسان ہوں؛ لہذا جس کسی مومن کو میں نے تکلیف دی ہو، اس کو بُرا بھلا کہا ہو، لعنت کی ہو، مارا ہو تو آپ ان سب چیزوں کو اس مومن کے لئے رحمت اور گناہوں سے پاکی اور اپنی قربت کا ذریعہ بنا دیجئے کہ اس کی وجہ سے آپ اس کو قیامت کے دن قرب عطا فرمائیں۔

تشریح: ہر مسلمان کو معلوم ہے کہ دنیا دار العمل ہے اور آخرت دار الجزاء ہے، یہاں بندہ کا تعلق اپنے رب کے ساتھ بھی ہے اور اس کے بندوں کے ساتھ بھی ہے۔ بندہ کے ذمے حق تعالیٰ کے جو فرائض ہیں اس کی ادائیگی میں کوتاہی ہو اور بندہ صدق دل سے توبہ کرلے تو حق تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرمالیتے ہیں، اس کو معاف کردیتے ہیں اور راضی ہوجاتے ہیں؛ لیکن جب ایک مسلمان کو کسی دوسرے مسلم سے کوئی تکلیف اور اذیت ــــ خواہ زبانی ہو یا عملی ــــ پہونچتی ہے اور اس کا دل دُکھتا ہے اور تکلیف دینے والا شخص اس سے معافی تلافی نہ کرے تو یوم آخرت اس کا بدلہ اس مظلوم کو دلوایا جائے گا جس کی صورت یہ ہوگی کہ اس کی نیکیاں اس کو دے دی جائیں گی پھر بھی تلافی نہ ہو تو مظلوم کے گناہ اس کے اوپر ڈالے جائیں گے، اس طرح مظلوم کو انصاف دلایا جائے گا، تب جاکر بخشش کی صورت بنے گی۔ کیوں کہ حقوق العباد کا معاملہ بہ مقابلہ حقوق اللہ سنگین ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیاتِ مبارکہ تو ہر نقص سے پاک ہے، صحابہ وصحابیات ہی نہیں پوری امت کو تکلیف نہ

*استاد شعبہ عالمیت ادارہ ہذا

پہونچنے کا خیال آپ ﷺ رکھتے تھے پھر بھی بارگاہِ رب العزت میں یہ دعا فرما رہے ہیں، اس دعا کے ذریعہ دراصل امت کو حقوق العباد کی اہمیت ونزاکت کا احساس دلانا ہے کہ اپنی ذات سے کسی کو ادنیٰ تکلیف نہ پہنچنے پائے، لہٰذا اگر کسی کا حق ضائع کیا ہو، کسی کو بے آبرو کیا ہو، کسی کو جانی ومالی گزند پہونچائی ہو تو اس دنیا ہی میں معافی مانگ کر یا حقوق ادا کر کے معاملات کی صفائی کرلے، روزِ محشر یہ مسئلہ بڑا سنگین ہے۔

چناں چہ آپ ﷺ نے مرض الوفات میں بیمار ہونے کے باوجود یہ اعلان فرمایا کہ ''جس کو میں نے (ناحق) کبھی کوڑا مارا ہو، یہ میری پیٹھ ہے وہ بدلہ لے لیں، اور جس کو میں نے بُرا بھلا کہا ہو تو مجھ سے انتقام لے سکتا ہے۔'' اور پھر امت پر شفقت دیکھئے کیسی ہے کہ اگر کسی کو کوئی ناگوار بات پہونچی ہو تو اس کے حق میں رحمت، مغفرت، بلند مراتب کا اللہ سے عہد لے رہے ہیں۔ اس دعا سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ کسی صاحبِ حق کا حق ہمارے ذمے رہ گیا ہو اور اب ادائیگی کی کوئی صورت نہ ہو تو حق تعالیٰ سے اس کے لئے دعائے خیر کرتا رہے، انشاء اللہ حقوق العباد کی حق تلفیوں سے قیامت میں نجات ملنے کی اُمید ہے۔ حضرات صحابہؓ نے اس اسوہ کو اپنایا اور امت کے سامنے عملی نمونے پیش فرمائے۔ چناں چہ ام المؤمنین حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی زوجہ محترمہ اُمّ حبیبہؓ نے انتقال کے وقت مجھے بُلایا اور کہا: جو کچھ سوکنوں کے درمیان ہوتا ہے وہ ہمارے بیچ بھی ہوا، اللہ مجھے اور آپ کو معاف فرمائے، میں نے کہا: اللہ آپ کی تمام لغزشوں کو معاف فرمائے، تو انہوں نے جواب میں کہا: اللہ آپ کو خوش رکھے جیسا کہ آپ نے مجھے خوشی پہنچائی۔ اسی طرح اُم سلمہؓ سے بھی انہوں نے معافی چاہی۔

اسی طرح خلیفہ رسول اللہ حضرت صدیق اکبرؓ نے اپنے سے کم عمر حضرت فاطمہؓ سے ان کے مرض الوفات میں اُنہیں منا کر معافی مانگی اور رسول اللہ ﷺ کے ترکہ سے متعلق غلط فہمیوں کا ازالہ کیا۔

آج مسلمانوں میں حق تلفیاں بہت عام ہیں، کوئی کسی کو بے آبرو کر رہا ہے، کوئی کسی کی جان کے درپے ہے، کوئی مالی حقوق ضائع کر رہا ہے، کوئی اپنے ذمے عائد کی حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی کر رہا ہے، نتیجہ میں ہر گھر میں نزاع وشقاق ہے، اِن حق تلفیوں کے عام طور پر دو سبب پائے جاتے ہیں (۱) اہلِ حقوق کے حقوق کا علم نہیں (۲) اگر حقوق کا علم ہے تو آخرت میں پوچھ تاچھ کی سنگینی سے غفلت ہے۔ اس لئے بندوں کے حقوق کثرت سے ضائع ہو رہے ہیں اور ہر شخص دوسرے سے اپنے حقوق کی پاس داری کا اُمیدوار ہے؛ لیکن خود پر عائد حقوق ادا کرنے میں غفلت میں ڈوبا ہوا ہے، اور موت آئی تو ہزاروں افراد کے بارِ حقوق دوش پر لئے جا رہا ہے۔ اللہ حفاظت فرمائے اور حقوق کی ادائیگی کی توفیق بخشے۔ ہمیں چاہیئے کہ حقوق کا علم حاصل کریں، اور اس کی ادائیگی فکر کریں، اور جو کوتاہیاں ہوگئیں اس کی معافی تلافی کر کے موت سے قبل معاملات کی صفائی کرلیں۔

پیش گفتار

ایک اچھے کام کی تکمیل

از: مدیر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ وبہ نستعین

اشرف الجرائد کی اشاعت گذشتہ پانچ ماہ ـــ اپریل تا اگست ـــ لاک ڈاؤن کی وجہ سے موقوف تھی، اب ستمبر ۲۰۲ء کا شمارہ قارئین کے ہاتھوں میں ہے، ان پانچ مہینوں کا عرصہ جس کرب و بے چینی اور غیر یقینی صورتِ حال سے گذرا وہ سب ہی کے علم میں ہے، کورونا نامی کسی بلا نے سارے عالم کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا ہے، اس کی کیا حقیقت ہے؟ کیسے لوگوں کو متأثر کرتی ہے، کیا انجام ہوتا ہے؟ انسانی پیداوار ہے یا آسمانی افتاد؟ اس سے متأثر ہونے والے مرتے ہیں یا مارے جاتے ہیں؟ لاعلاج مرض ہے یا ممکن العلاج ہے؟ اہم شخصیات کیوں متأثر نہیں ہوتیں اور ہوتی ہیں تو جلد ہی کیسے صحت یاب ہوجاتی ہیں؟ گذشتہ خطرناک بیماریوں جیسے ایڈز کے متأثرین سے بھی جتنی گھن و احتیاط نہیں برتی جاتی تھی اتنی اس مرض کے متأثرین سے کیوں برتی جاتی ہے؟ اس کا متأثر اچھوت قوموں سے بھی زیادہ اچھوت کیوں بنادیا جاتا ہے؟ اور سب سے بڑھ کر یہ سوال کہ یہ چالاک مرض صرف مذہبی اجتماعات و عبادت گاہوں ہی میں کیوں گھستا ہے؟ شراب خانوں، مارکٹوں، بازاروں، اور سڑکوں کی بھیڑ بھاڑ سے کیوں دور رہتا ہے؟ ان سوالوں کے جوابات پر دورانِ لاک ڈاؤن اس قدر متضاد تجزئے وتبصرے اور اتنی مختلف تحقیقات و انکشافات میڈیا کے ذریعے سامنے آئیں ہیں کہ پڑھنے اور سننے والوں کے لئے بہ ذاتِ خود ایک کرونا بن گئیں، اس کرونا کے جراثیم سے بچنے کے لئے سمعی، بصری قرنطینہ ضروری ہوگیا تھا۔ راقم السطور نے بھی خود کو مطالعہ گاہ میں محدود کر کے کافی عرصے سے زیر التواء ایک ضروری کام کو بہ تائید ایزدی و بہ فضل الٰہی تقریباً تکمیل کرلیا ہے، کام تو کوئی بڑا نہ تھا مگر کام کرنے والے کی استعداد بھی کوئی بڑی نہ تھی اس لئے اس کام میں خاصا وقت لگ گیا۔

اس کام کا خلاصہ یہ ہے کہ اس زمانے میں احسان وسلوک، تصوف وطریقت اور اصلاح وتربیت کے بارے میں عوام سے لے کر علماء تک جو سطحی تصوّر اور ناقص تخیل بن گیا ہے، بڑوں کے دور اور اپنے زمانے میں جو نمایاں فرق ہوگیا ہے، مُریدی تو خیر رہی نہیں پیری بھی بس دم توڑ رہی ہے، اصلاح وتربیت کا عظیم کام ؎

خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سنا افسانہ تھا

کا مصداق ہو کر رہ گیا۔ خود تو کچھ نہیں ہوں لیکن جو تھے انہیں دیکھا ہوا ہوں تو نظام خانقاہی کو معطل پاتا ہوں، پہلے مشائخ ؎

جس جگہ بیٹھ کے پی لوں وہی مے خانہ ہے

کہہ کر معمولی سے چھپروں اور واقعی بوریوں سے طریقت کے ہزاروں آفتاب وماہتاب نکال گئے اور اب شان دار عمارتوں اور نمایاں انتظاموں کے ذریعے چراغ بھی نہیں تیار ہو پا رہے ہیں۔ پہلے کے اکابر ؎

میں تو مٹا بیٹھا تھا نام ونشان اپنا

کہہ کر شہرہ اُڑانے والوں سے نالاں دکھائی دیتے تھے اور اب ہم جیسے پیر شہرت کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے، کبھی سلوک شہادت گہِ اُلفت میں قدم رکھنے سے تعبیر تھا اور سالک کا ضمیر بے اختیار پکار اُٹھتا تھا کہ اس راہ میں ؎

بڑی ذلتیں ہیں بڑی خواریاں ہیں

مگر ان ذلتوں اور خواریوں میں وہ مزہ آتا تھا کہ نکلنے کو تیار نہ ہوتا تھا اور اب جب تک پیر کی طرف سے غارت گرِ ترقی الطاف ومہربانیاں ہوتی رہتیں مرید کا حسنِ ظن قائم رہتا ہے اور جہاں نفس کُشی کا ایک دُرّہ پڑا مرید ہمیشہ کے لئے بدظن ہی نہیں بدنام کنندہ بھی بن کے نکل جاتا ہے۔ اکابر کے ہاں نفس کی چمڑی اُدھڑوا دینے والے کبھی فخر ومسرت سے ؎

مئے یہ ملی نہیں ہے یوں قلب وجگر ہوئے ہیں خوں

کے نعرۂ مستانہ لگاتے ہوئے دکھائی دیتے تھے اور اب قلب وجگر کا خون تو کیا برداشت کرتے فرائض وحقوق برباد کر کے اور صفاتِ رذیلہ میں لت پت رہ کر بھی مجاہدے کے نام سے گھبراتے ہیں، کبھی مولائے کائنات تک وصول کو مقصودِ طریق سمجھا جاتا تھا اب لیلائے خلافت کو منتہائے سلوک اور معراجِ تصوف مان لیا گیا ہے، کبھی یہ سفر عن الخلق الی الحق ہوا کرتا تھا اب عن الخلق الی الخلق ہی ہو کر رہ گیا ہے، اپنے کو مٹانے اور خدا کو پانے کی باتیں باتوں تک رہ گئی ہیں، تصوف کہہ رہا ہے ؎

لوگ آساں سمجھتے ہیں مسلماں ہونا

کہا جاتا ہے کہ زمانے کے حالات ہی بدل گئے ہیں، وسائل کی بہتات نے ہمتوں کو پست اور حوصلوں کو مضمحل کر دیا ہے، ہر طبقۂ حیات میں معیارات تبدیل ہو گئے، ترجیحات تبدیل ہو گئیں، اگر طریقت میں تغیُّر ہوا ہے تو واویلا کیوں؟ مجھے بھی اس سے اتفاق ہے لیکن رونا علمِ صحیح نہ ہونے کا ہے، دین تو بدلے گا نہیں، حقیقتِ دین قیامت تک ایک ہی رہے گی، اسی کو مقصود بنایا جائے گا، اسی کی طلب میں جیا جائے گا، وسائل و ذرائع ہم وطبائع کے مطابق لئے جاسکتے ہیں، سہولتیں بہم پہنچائی جاسکتی ہیں، سلوک میں بھی سہولت واجمال ملحوظ رکھتے ہوئے مقاصد کو پانا آج نسبتاً آسان ہے مگر اسی وقت جب کہ سالکینِ راہ کے سامنے حقیقتِ سلوک صحیح معنوں میں آتی رہے کہ سلوک دراصل معشوقِ شریعت پر دل وجان سے فریفتہ ہونے کا نام ہے، اصطلاحات وخطابات اور مقامات سب اسی تک پہنچنے کے راستے ہیں، جذبات، احساسات، خواہشات سب اسی پر قربان کر کے فنا کر دئے جانے کے لائق ہیں، اور شریعت صرف عبادتوں کا نام نہیں ہے وہ سر سے لے کر پیر تک، شعور سے لے کر موت تک، عقیدے سے لے کر اخلاق تک، خانگی زندگی سے لے کر عائلی ومدنی معاملات تک انسان کو اپنا پابند ِ فرمان رکھنا چاہتی ہے، پھر جیسے شریعت انسان کی تعمیر ظاہر کا مطالبہ کرتی ہے، ویسے ہی اس کے تزکیۂ باطن کا تقاضہ بھی کرتی ہے، تصوف وسلوک کی اس کے ماہرین نے اسی وجہ سے تعمیر الظاہر و الباطن سے تعریف کی ہے، اگر سالکین اس کا صحیح تعارف بھی حاصل نہیں کریں گے اور بقدرِ ضرورت علم نہیں ہوگا تو دھوکہ میں رہ جائیں گے، عمر گذر جائے گی، اور خوش فہمیوں ہی میں گذر جائے گی اور اگر کم از کم علم صحیح ہوگا تو چاہے تکمیل سلوک نہ ہوسکے تب بھی کم از کم، عدمِ تکمیل کا احساس اور نقصان وقصور کا اعتراف تو رہے گا ہی، کبھی زعم وفریب کے شکار نہ ہوں گے، اور یہ احساس بہ جائے خود مغفرت وکامیابی کا وسیلہ ہے۔

آج دیکھئے کتنے ہی مخلص، جفاکش اور ایثار وقربانی کے جذبات سے معمور قلوب دعوت وتبلیغ کے کام سے وابستہ ہیں، آخر اللہ تعالیٰ کی رضا اور آخرت کی کامیابی ہی تو ان کے بھی مطمحِ نظر ہے، لیکن ان کے سامنے چوں کہ دین کی جامع تعلیمات کا اور تمام شعبوں کا ذکر مختصر اور تبعاً کیا جاتا ہے اور کام کے رُسوم وطریق کا ذکر اور اُن کے فضائل زیادہ بیان کئے جاتے ہیں تو ہم دیکھ رہے ہیں کہ کارکنان کے خلوص وجذبات اور جہد وعمل کا استعمال دین کی عملی تکمیل میں کم اور کام کے رسوم کو زندہ رکھنے اور ترقی دینے میں زیادہ ہو رہا ہے، اس طرح جتنا کچھ دین وجود میں آرہا ہے وہ یقیناً قابلِ قدر ہے لیکن تکمیلِ دین کا شرعی مطالبہ اس پر ختم نہیں ہوجاتا، وہ بہ ہر حال باقی رہے گا اور عند اللہ مؤاخذہ کا سبب ہوگا، اور اگر اعتقاداً بھی اسی قدر دین کو کامل دین سمجھ لیا جائے—— جیسا کہ

جماعت کے اکثر کارکنوں کا خیال یہی ہے ــــ تو پھر بات اور بھی زیادہ قابلِ فکر وتشویش ہوجاتی ہے۔

یہ مثال میں نے محض اس بات کو سمجھانے کے لئے دی ہے کہ اگر ہمارے مشائخ تصوف وسلوک کی صحیح تعریف اور اس کا مقصد ــــ ذکر وفکر کے ذریعہ تعلق مع اللہ میں پختگی اور ظاہر وباطن میں مطلوبہ دین داری ــــ مریدین وسالکین کے سامنے صاف صاف اور پوری صراحت سے نہیں رکھیں گے اور طریقت کے رسوم ادا کر لینے اور شیخ سے عقیدت کا اظہار کر لینے پر قناعت کر بیٹھیں گے تو تکمیلِ دین اور اصلاحِ ظاہر وباطن کی آخری امید گاہ بھی ویران ہوجائے گی اور ہورہی ہے، میں مشائخ کی بات تو نہیں کرسکتا، مریدین وسالکین کا حال عرض کر تا ہوں کہ رسوم درویشی کو درویشی سمجھ بیٹھے ہیں اور وسائل کو مقاصد کا درجہ دینے، طریق کو منزل سمجھ بیٹھنے کے فریب میں مبتلا ہوگئے ہیں۔

میں نے بزرگوں کو دیکھ پڑھ کر یہی سمجھا ہے کہ ان کے ہاں تصوف وسلوک اتباعِ شریعت میں کمال ورُسوخ کا نام اور ظاہر وباطن کو سنت کے رنگ میں رنگنے کا عنوان ہے، کیا اب اسی کے لئے مُرید ہوا جارہا ہے؟ کیا ان بلند عزائم کے ساتھ مشائخ کا دامن تھاما جارہا ہے؟ ہرگز نہیں! کیوں کہ پورے دین کی دعوت ان کے سامنے نہیں آرہی ہے۔

میرے خیال میں یہ تین حدیثیں خلاصۂ تصوف اور میزانِ طریق ہیں:

۱۔ انما الاعمال بالنیات وانما لامرأ ما نوی۔(بخاری:6) (سلوک کی ابتداء اور مقصد)

۲۔ ان تعبد اللہ کأنک تراہ فان لم تکن تراہ فانہ یراک ۔(بخاری:50) (سلوک کا وسیلہ وطاقت)

۳۔ وما تقرب إلي عبدي بشيء أحب إلي مما افترضت عليه (سلوک کا درجۂ ادنیٰ)

وما يزال عبدي يتقرب إلي بالنوافل حتى أحبه (سلوک کا درجۂ اعلیٰ)

فإذا أحببته كنت سمعه الذي يسمع به، وبصره الذي يبصر به، ويده التي يبطش بها، ورجله التي يمشي بها، وإن سألني لأعطينه، ولئن استعاذني لأعيذنه (بخاری: 6502) (سلوک کا ثمرہ اور مقصودِ حقیقی)

ان حدیثوں کا خلاصہ اس طرح سمجھئے کہ

۱۔ بندے ظاہر وباطن کو نورِ شریعت وسنت سے منور رکھنے کے پابند ہیں۔

۲۔ اس کا ذریعہ مرحلۂ ادنیٰ میں فرائض وواجبات کی پابندی اور محرمات سے اجتناب ہے۔

۳۔ مرحلۂ اعلیٰ میں سنن ونوافل کا اہتمام اور مکروہات ومشتبہات سے ہر ممکن حد تک بچنا ہے۔

۴۔ صفاتِ حمیدہ یعنی منوراتِ ظاہرہ و باطنہ کو غالب کرنا اور صفاتِ رذیلہ یعنی مہلکاتِ ظاہرہ و باطنہ کو مغلوب کرنا یا یوں کہیے کہ نفس کی لگام روح کے ہاتھ میں دیدینا۔

۵۔ اس میں قبولیت کی شان پیدا کرنے کے لئے مقامِ مشاہدہ تک پہنچنا، یہ نہ ہو سکے تو مقامِ مراقبہ اختیار کرنا اور یہ بھی ممکن نہ ہو تو تصحیح نیت اور اخلاص فی العمل کا مقام تو کم از کم حاصل کر ہی لینا، کیوں کہ اس کے نیچے قبولیت کا کوئی مقام نہیں ہے۔

یہ چار امور مقاصد ہیں، ان مقاصد کے لئے

۶۔ کسی متبع سنت و شریعت پیر کامل کو اپنا نگراں و راہ نما بنا لینا۔

۷۔ بہ قدر ضرورت ظاہر و باطن کے احکام کا علم سیکھنا۔

۸۔ اچھی صحبت اور ذکر کی قوت سے اپنے کو مضبوط رکھنا۔

۹۔ حقوق العباد کو ادا کرتے رہنا اس کے لئے کسبِ حلال سے غافل نہ رہنا۔

اگر میں صحیح سمجھ سکا ہوں تو طریقت و سلوک سے محقق صوفیاء و مشائخ کی یہی مراد تھی، انہوں نے اسی کے لئے ریاضات و مجاہدات کئے اور مقامِ قبولیت تک پہنچنے میں کامیاب بھی ہوئے، باقی جو کچھ بھی تصوف و سلوک کے نام سے ملتا ہے وہ صرف وسائل و زوائد یا معاون اُمور ہیں، مقصود سے اِن کا اتنا ہی تعلق ہے وہ مقصود بالکل نہیں ہیں، اسی وجہ سے مشائخ نے اپنے اپنے زمانوں اور علاقوں میں حالات کے اعتبار سے ان اُمور میں کافی تصرف و تغیر کیا جو بہ جائے خود اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ مقاصد نہیں ہیں۔

اب اس تفصیل کی روشنی میں ذرا غور کر کے دیکھ لیں کہ آج کل کیا پیری و مریدی کا یہی تصوّر ہمارے سامنے ہے؟ اور تصوف و سلوک کی راہ میں انہی اہداف کے لئے قدم رکھا جا رہا ہے؟ کیا ان اُمور کو سیکھنے کے لئے ٹائم نکالا جا رہا ہے؟ کیا اپنی حالت کی دم بہ دم نہ سہی، یومیہ، اُسبوعیہ، شہریہ ہی سہی رپورٹ دی جا رہی ہے؟ کیا ترقی و زوال پر کڑی نظر ہے؟ بعض بعض مرید تو کئی کئی سال بھی شیخ سے رابطہ نہیں رکھتے، اتفاق سے کہیں ملاقات ہو جائے تو اپنا مُرید ہونا یاد دلا کر تعارف کراتے ہیں، سیکھنا سکھانا تو دور کی بات ہے ملنا ملانا بھی نہیں ہے، ارے بھئی! جب سلوک و طریق کہتے ہی راستے کو ہیں اور سالک کے معنی راستہ چلنے والے کے ہیں تو پتہ چلا کہ یہ منزل نہیں ہے منزل کا راستہ ہے، اب ایک آدمی راستہ معلوم کر کے اس پر آ کر کھڑا ہو جائے تو کیا وہ منزل پر پہنچ جائے گا؟ یا کسی راہبر کی نگرانی میں جو راستے کے نشیب و فراز اور راہ زن کے خطرات سے واقف و باخبر ہو راستہ چلنا اور راستہ کی مشقتیں جھیلنا پڑے گا؟

میں ایک عرصے سے اصلاحی تعلق رکھنے والے دوستوں کے سامنے اسی کا رونا رو رہا اور اسی پر کُڑھ رہا ہوں اور کہہ رہا ہوں کہ ؎

من نہ کردم شما حذر بکنید

شومیٔ قسمت تو نہیں کہتا شامتِ اعمال سے میں نے بہت کچھ کھویا ہے، بڑی نا قدری ہوگئی کیمیا تاثیر مشائخ اور مجسّمۂ سنت وشریعت اکابر کی، سوچتا ہوں کہ کاش زندگی کی گاڑی کو ریورس لے جاسکتا کہ مفقود اکابر کی قدر کر لوں یا زمانے کی رفتار کو روک سکتا کہ موجود اکابر سے کچھ سیکھ لوں ! مگر کم من حسرات دفنت فی الصدور ، اب پچھتاوے کیا ہوت ؟ خدائے کریم ورحیم کی طرف سے باب توبہ وَا نہ ہوتا اور ھل من مستغفر فاغفرله کا وعدہ نہ ہوتا تو یہ راقم آثم کہیں کا نہ رہا ہوتا سبحان من یفرح بتوبة العبد۔ سبحان من یمد یمینه لتوبة عباده صباحا و مساءا۔ ربنا لا تواخذنا ان نسینا او أخطأنا

درازگوئی اور سخت گوئی کے لئے معذرت خواہ ہوں، میں نے شروع میں عرض کیا تھا کہ تدریسی وتبلیغی اور انتظامی تمام سرگرمیوں کے ٹھپ پڑ جانے کے بعد فرصتِ یکسوئی کو غنیمت سمجھتے ہوئے اس عاجز نے جو کام کیا وہ یہی تھا کہ وسطِ شعبان سے ختم رمضان تک تصوف وسلوک کے بنیادی مسائل خود سمجھتا اور بیان کرتا رہا، احیاء علوم الدین کی چاروں ربع کو مدنظر رکھتے ہوئے دیگر کتب بالخصوص کتاب وسنت کی روشنی میں پینتالیس دروس آن لائن دینے کی توفیق ملی، جنہیں احباب کے بقول کوئی اسی ہزار مسلمانوں نے دنیا کے مختلف ممالک میں سُنا، اس دوران مجھے سالکین ومشائخ کے لئے ایک راہنما مختصر وآسان نصاب تربیت تیار کرنے کی دیرینہ آرزو کے لئے مواد مل گیا، نیز سامعین وسامعات نے بھی ان دروس کو مرتب کرنے کی خواہش ظاہر کی کہ بار بار پڑھا اور اپنے سامنے رکھا جاسکے، چناں چہ عیدالفطر کے دوسرے دن ہی سے اس نصاب کی ترتیب کا کام شروع کیا جو نو علاحدہ علاحدہ رسائل کی شکل میں مرتب ہوا، اس کی تفصیل حسبِ ذیل ہے۔

سلسلۂ اصلاح وتربیت

۱	قصد السبیل الی المولی الجمیل یعنی حق تعالیٰ تک پہنچنے کا عزم	گیارہ ہدایات پر مشتمل حکیم الامتؒ کے اس رسالے سے تصوف وطریقت کی حقیقت وضرورت ، شیخ کی پہچان ، طریقۂ استفادہ وغیرہ کے بارے میں نہایت جامع مانع اور محققانہ علم حاصل ہوسکے گا۔

۲	عقائد اسلام و صفات ایمان معہ احکام دین کی اجمالی فہرست	اسلامی عقائد سے واقفیت اور اور سلامتی کے لئے عقیدۃ الطحاوی کا خلاصہ، صفاتِ ایمان سے واقفیت کے لئے ، الاسلام بضع و سبعون شعبة کے تحت علامہ عینی کی تشریح ، اور اخیر میں بخاری شریف کی تمام کتابوں کے نام اردو میں جس سے احکامِ دین کی عبوری فہرست کا پتہ چل سکے اور غیر علماء کو دین کامل کا تصور حاصل ہو ، اور دین دار بننے کے لئے علماء کی ضرورت کا احساس پیدا ہو۔
۳	منوراتِ ظاہری	جس میں نماز ، زکوٰۃ ، روزہ ، حج ، تلاوت ، ذکر ، کسبِ حلال اتباعِ سنت ، امر بالمعروف و نہی عن المنکر اور تحفظ حقوق کتاب وسنت کی روشنی میں بیان کئے گئے ہیں۔
۴	منوراتِ باطنی (تحلیۂ باطن)	توبہ وانابت ، صبر وشکر ، خوف ورجاء ، فقر وزہد ، توحید وتوکل ، محبت وشوق ، صدق واخلاص ، مراقبہ ومحاسبہ ، تفکر ، موت کی یاد ، کتاب وسنت کی روشنی میں بیان کی گئی ہیں
۵	مظلماتِ باطنی (تزکیۂ باطن)	شہوتِ بطن ، شہوتِ فرج ، شہوتِ عین ، لغو ولا یعنی ، غیظ وغضب ، بغض وحسد ، شحّ وبخل ، کبر وعجب ، حب جاہ ، حب دنیا ، ریا وسمعہ کی مذمت کتاب وسنت کی روشنی میں بیان کی گئی ہے۔
۶	آفات اللسان	بیس چھوٹی بڑی زبان کی لغزشیں ، امام غزالیؒ کی کتب کا خلاصہ۔
۷	جزاء الاعمال	نو فصلوں پر مشتمل حکیم الامتؒ کا یہ رسالہ اعمال کے دنیوی واُخروی فوائد ونقصانات کو کتاب وسنت سے ثابت کرتا ہے۔ (جدید ترتیب وتسہیل کے ساتھ)

۸	خلاصہ تعلیم الدین وآداب المعاشرۃ (معہ حقوق اسلام)	عبادات سے لے کر معاشرت تک زندگی کے اہم آداب، انتخاب وتسہیل کے ساتھ، نیز تمام اہل تعلق کے حقوق کا تذکرہ تاکہ حقوق العباد کی تکمیل ہوسکے۔
۹	معمولات مسنونہ وماثورہ	نفل اعمالِ صالحہ، شب وروز کی دعائیں، اذکار عام وخاص تلاوت عام وخاص، روزہ مرہ کی سنن عام وخاص
۱۰	چالیس نصیحتیں	حکیم الامتؒ کی چالیس عارفانہ وحکیمانہ نصیحتوں کی جامع تشریح کتاب وسنت کی روشنی میں

یہ خاکہ ہے نصاب اصلاح وتربیت کا، اس میں احکام ومسائل نہیں ہیں، اس کے لئے فقہ کے ایک آسان اور مختصر رسالے کو شامل کرلیا جائے گا۔

اب یہ اہل علم ومعرفت ہی بتلائیں گے کہ واقعی یہ نصاب سالکین راہِ خدا اوران کے راہنماؤں کو کچھ کام بھی آئے گا یا شیخ چلّی کا خیالی خاکہ بن کر رہ جائے گا، مگر اتنا ضرور ہے کہ میں نے یہ کام اپنی نااہلی کے باوجود بڑی فکر وجستجو سے کیا ہے اور (اگر مجھے نفس دھوکہ نہیں دے رہا ہے تو) بہت خلوص اور مسلمانوں کی محبت میں ڈوب کر کیا ہے، قارئین سے گذارش ہے کہ وہ اس عمل کی قبولیت کے لئے مجھے اپنی دعاؤں میں یاد فرمائیں۔

نوٹ ۱: یہ نصاب زیر طباعت ہے، شائد اس کی تکمیل میں ایک ماہ اور لگے گا۔

نوٹ ۲: لاک ڈاؤن کے عرصے میں ہم بہت اکابر کے سائے سے محروم ہوئے ہیں ان کی فہرست کی بھی اب گنجائش نہیں ہے، ان کا ذکر خیر اشرف الجرائد پر قرض ہے، اللہ نے توفیق دی تو ادائے حق کی کوشش کروں گا، باقی چوں کہ ادارہ میں دو ماہ قبل ہی سے ششم تا افتاء آن لائن تعلیم شروع ہوچکی ہے مجھے بھی اپنی تدریسی ذمہ داریاں نباہنا ہے اس لئے اس کام کے بعد کچھ دن کے لئے قلم رکھ ہی دینے کا ارادہ ہورہا ہے، یہ کام بھی ایک آنکھ سے ہوسکا ہے اور بہت تکلیف سے ہوسکا ہے، دوسری آنکھ بہت ضعیف ہونے کی وجہ سے لکھنے پڑھنے میں حارج رہتی ہے، جن علماء کی دونوں آنکھیں سلامت ہیں اُنہیں بہت ہی قدر وشکر کرنا چاہیئے۔ والسلام علی النبی الکریم۔

گوشۂ سیرت

ایسی دعا نہ بتلاؤں جو میری تمام دعاؤں کا احاطہ کرے!

مولانا الیاس محی الدین ندوی بھٹکلی*

رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کا بیشتر حصہ اٹھتے بیٹھتے، صبح شام اپنے رحمٰن ورحیم رب کے حضور دست بہ دعا رہ کر ہی گذرتا تھا، وہ کونسا امکانی خیر تھا جو آپ نے رب العالمین سے طلب نہیں کیا، عام انسانوں کا ذہن بھی جدھر نہیں جاسکتا تھا آپ کا پاکیزہ ذہن اس طرف جاتا، لیکن آپ کے جانثاروں کے لیے مشکل یہ تھی کہ تنہائی اور خلوت کی آپ کی ان مناجاتوں کی تفصیلات کا ان کو پتہ نہیں چلتا تھا، اگر علم ہو بھی جاتا تو اس کو یاد رکھنا مشکل تھا، چنانچہ ہمت کر کے ایک دن دربار نبوت میں آپ کے کچھ جانثار رفقاء حاضر ہوئے اور اس تعلق سے اپنی معروضات پیش کیں، ان کی نمائندگی حضرت ابوامامہؓ نے فرمائی اور ادباً یوں عرض کیا:

اے رحمۃ للعالمین! آپ نے خیر کی لائن سے بے شمار دعائیں کی ہیں جو ہمیں یاد نہیں رہتیں؟

یہ سن کر رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کیا میں تمہیں ایسی دعا نہ بتلاؤں جو ان تمام دعاؤں کا احاطہ کرے جو میں نے کی ہیں، تم یوں کہو:

اے اللہ! ہم تجھ سے وہ تمام خیر طلب کرتے ہیں جو تجھ سے تیرے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے طلب کیا اور ان تمام شرور سے پناہ مانگتے ہیں جن سے تیرے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پناہ مانگی، تجھ ہی سے مدد طلب کی جاتی ہے اور تیرا ہی کام اس کو پورا کرنا ہے، تمام طاقتوں اور قوتوں کا مرجع اللہ ہی کی ذات ہے۔

اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَسْأَلُکَ مِنْ خَیْرِ مَاسَأَلَکَ مِنْهُ نَبِیُّکَ مُحَمَّدٌ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وَنَعُوْذُبِکَ مِنْ شَرِّ مَااسْتَعَاذَ مِنْهُ نَبِیُّکَ مُحَمَّدٌ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وَاَنْتَ الْمُسْتَعَانُ وَعَلَیْکَ الْبَلَاغ، وَلَاحَوْلَ وَلَاقُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ۔

(سنن ترمذی: ۳۵۲۱)

---

* استاذ تفسیر وحدیث جامعہ اسلامیہ بھٹکل

گوشۂ خواتین

اسلام کی باکمال خواتین

مفتی رفیع الدین حنیف قاسمی*

حضرت شفاء بنت عبداللہ رضی اللہ عنہا

نام ونسب: حضرت شفاء بنت عبداللہ رضی اللہ عنہا کا شمار نہایت جلیل القدر صحابیات میں ہوتا ہے، ان کا تعلق قریش کے خاندان عدی سے تھا، سلسلہ نسب یہ ہے: شفاء بنت عبد اللہ بن عبد شمس بن خلف بن سداد بن عبداللہ بن قرط بن رزاح بن عدی بن کعب بن لوی۔

عدی کے دوسرے بھائی مرہ تھے، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اجداد میں سے ہیں، اس لحاظ سے حضرت شفاء کا سلسلہ نسب آٹھویں پشت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نسب نامہ سے جا کر مل جاتا ہے، اسی طرح پانچویں پشت میں (عبداللہ بن قرط پر) حضرت شفاء رضی اللہ کا نسب سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے نسب نامہ سے جا کر مل جاتا ہے۔

والدہ کا تعلق بنومخزوم سے تھا، ان کا نام فاطمہ بنت وہب (بن عمر بن عائذ بن عمر بن مخزوم) تھا۔

حضرت شفاء کی شادی ابوحثمہ بن حذیفہ عدوی سے ہوئی، ابوحثمہ کے حالات کہیں نہیں ملتے۔

(الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، شفاء بنت عبداللہ: ۴/ ۱۸۶۸، دار الجیل، بیروت)۔

قبول اسلام:

کتب سیر میں حضرت شفاء رضی اللہ عنہا کا قبول اسلام کے سال متعین نہیں کیا گیا؛ لیکن اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ وہ ہجرت سے قبل کسی وقت بڑے ناسازگار حالات میں سعادت اندوز اسلام ہوئیں اور پھر جب بارگاہِ رسالت سے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کرنے کی اجازت مرحمت ہوئی تو انہوں نے بھی ہجرت کا شرف حاصل کیا، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ''الاصابۃ'' میں لکھا ہے کہ وہ ان چند خواتین میں سے تھیں جنھوں نے سب سے پہلے ارشاد نبوی پر لبیک کہا اور ارض مکہ کو ہمیشہ کے لئے خیر باد کہہ کر

* رفیق تصنیف دار الدعوۃ والارشاد، حیدرآباد، واستاذ حدیث دار العلوم دیودرگ

مدینہ منورہ میں مستقل اقامت اختیار کرلی۔

رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ منورہ میں نزول فرمانے کے بعد حضرت شفاء رضی اللہ عنہا کو ایک مکان عنایت فرمایا، جس میں وہ اپنے فرزند سلیمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ مدت العمر قیام فرما رہیں۔

(تاریخ دمشق، حثمۃ بن حذیفہ، ۲۲/۲۱۶، دارالفکر، بیروت)

کاتبہ عالمہ

حضرت شفاء رضی اللہ عنہا قریش کی ان معدودے چند خواتین میں سے تھیں جو لکھنا پڑھنا جانتی تھیں، کئی امراض کے مریض ان کے پاس آتے تھے اور وہ جھاڑ پھونک یعنی منتر ٹوٹکے سے ان کا علاج کرتی تھیں، اہل سیر نے ان کے چیونٹی کاٹنے کے منتر کا خصوصیت سے ذکر کیا ہے، علامہ ابن اثیر صاحب اسد الغابہ لکھتے ہیں جب کسی کو چیونٹی (زہریلی یا سخت قسم کی) کاٹتی تو وہ یہ منتر پڑھ کر کاٹے کی جگہ پر پھونکتیں "بسم اللہ صِلوُ صُلُبَ جَبرِ تَعَوُّذا مِنْ أَفْوَاهِهَا فَلَا تضُرُّ أحدًا، اللّٰهم اكشفِ البَاسَ ربَّ النّاس" پھر بتاتیں کہ اسے مصطگی کے ٹکڑے پر سات بار پڑھو اور پھر اسے ایک صاف جگہ پر رکھ دو اور پھر اسے ایک پتھر پر شراب کے ترش سرکے میں رگڑ و اور چیونٹیوں پر چھڑک دو۔ (اسد الغابۃ، الشفاء بنت عبداللہ، ۷/۱۶۲، دارالکتب العلمیہ، بیروت)۔

ایک دفعہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زوجہ محترمہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا بنت حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے سلسلے میں حضرت شفاء رضی اللہ عنہا سے فرمایا: کہ حفصہ رضی اللہ عنہا کو لکھنا سکھا دو، انہوں نے ارشاد نبوی کی تعمیل کی اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو لکھنا سکھا دیا۔

ایک دفعہ حضرت شفاء رضی اللہ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کی، یارسول اللہ! میں جاہلیت میں جھاڑ پھونک کیا کرتی تھی اور چیونٹی کاٹنے کا منتر پڑھا کرتی تھی، کیا مجھے اب بھی ایسا کرنے کی اجازت ہے، چونکہ اس منتر میں شرک کی آمیزش نہیں تھی، اس لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں اجازت دے دی، بلکہ یہ فرمائش بھی کی کہ یہ منتر حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو بھی سکھا دو۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس موقع سے یہ الفاظ ارشاد فرمائے "علمی حفصة رقية النملة كما علمتها الكتابة" (حفصہ کو بھی چیونٹی کا منتر سکھا دو جیسا کہ تم نے اسے لکھنا سکھایا) چنانچہ انہوں نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو لکھنے کے علاوہ چیونٹی کاٹے کا منتر بھی سکھا دیا، اس لحاظ سے وہ ام المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کی استاذ ہیں۔ اسی طرح اصحاب تراجم نے یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت

شفاء رضی اللہ عنہا نہایت عاقلہ اور فاضلہ تھی، وہ رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے غایت درجہ محبت اور عقیدت رکھتی تھیں، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی ان پر بہت شفقت فرماتے تھے اور گاہے بہ گاہے ان کے گھر تشریف لے جاتے۔

علامہ حافظ ابن حجرؒ کا بیان ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کبھی کبھی حضرت شفاء رضی اللہ عنہا کے گھر آرام فرماتے تھے، انہوں نے تہ بند اور بستر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے استعمال کے لئے علاحدہ تیار کر رکھا تھا، چونکہ ان چیزوں کا جسد اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مس ہوا تھا، اس لئے حضرت شفاء رضی اللہ عنہا کے نزدیک یہ بڑے تقدس کی حامل تھیں، چنانچہ انہوں نے ان دونوں مقدس چیزں کو زندگی بھر اپنی جان سے بھی زیادہ پیارا رکھا، لیکن اموی حکمراں مروان بن الحکم نے یہ دونوں چیزیں ان سے لے لیں، اس طرح حضرت شفاء رضی اللہ عنہا کا خاندان اس برکت سے محروم ہوگیا۔" وکانت من عقلاء النساء وفضلائهن، وكان رسول الله ﷺ يزورها ويقبل عندها في بيتها، وكانت قد اتخذت له فراشا وإزارا ينام فيه، لم يزل ذلك عند ولدها حتى أخذه منه مروان بن الحكم" (الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ، الشفاء بنت عبداللہ: ۸/۲۰۱، دارالکتب العلمیۃ)

حضرت شفاء بنت عبداللہ رضی اللہ عنہا کا شمار چونکہ جلیل القدر صحابیات میں ہوتا تھا، تمام صحابہ کرامؓ ان کی قربت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وجہ سے نہایت احترام کرتے، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے یہاں ان کی قدر ومنزلت اتنی تھی کہ جب وہ سریر آرائے خلافت ہوئے تو کبھی کبھی بعض اہم مسائل میں ان سے مشورہ لیا کرتے، اوران کی رائے کی بہت تعریف کرتے تھے، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ابن سعد کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو حضرت شفاء کی فضیلت اور رائے کا بڑا پاس ولحاظ تھا اوران کو بازار کا اہتمام سپرد کرتے تھے" وكان عمر يقدمها في الرأي ويرعاها ويفضلها، وربما ولاها شيئا من أمر السوق "

(الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ، الشفاء بنت عبداللہ: ۸/۲۰۱، دارالکتب العلمیۃ)

اس سے پتہ چلا کہ حضرت شفاء بنت عبداللہ رضی اللہ عنہا صائب الرائ ہونے کے ساتھ ساتھ انتظامی صلاحیتوں کی بھی مالکہ تھیں۔

اولاد

حضرت شفاء رضی اللہ عنہا کی اولاد میں صرف ایک لڑکے سلیمان اور ایک لڑکی کا پتہ چلتا ہے، دونوں شرف صحابیت سے بہرہ ور تھے، لڑکی مشہور صحابی شرحبیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ کی نکاح میں تھیں۔

داماد کو نماز کی ترغیب

غزوہ خیبر کے بعد کا ذکر ہے کہ ایک دن حضرت شفاء رضی اللہ عنہا بارگاہِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر

ہوئیں اور اپنی کچھ ضروریات بیان کر کے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے درخواست کی کہ نقدی یا جنس وغیرہ کی صورت میں انہیں کچھ عطا فرمایا جائے، اتفاق سے اس وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس کوئی چیز موجود نہیں تھی، اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے معذرت فرمائی؛ لیکن انہوں نے اصرار کیا کہ ان کی درخواست کو شرف پذیرائی بخشی جائے، اتنے میں اذان کی آواز آئی اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بغرض نماز مسجد تشریف لے گئے، حضرت شفاء رضی اللہ عنہا بھی اٹھ کھڑی ہوئیں اور قریب ہی اپنی بیٹی کے گھر چلی گئیں جو جلیل القدر صحابی حضرت شرحبیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ کی زوجیت میں تھیں، وہاں انہوں نے دیکھا کہ ان کے داماد حضرت شرحبیل رضی اللہ عنہ تہبند باندھے گھر میں ہی بیٹھے ہیں اور نماز کے لئے مسجد نہیں گئے، یہ خاتون داماد کو گھر میں بیٹھا دیکھ کر سخت آزردہ خاطر ہوئیں اور غضب آور لہجے میں انہیں ملامت کرنا شروع کر دی کہ نماز کا وقت ہو گیا اور تم گھر ہی میں ہو؟ حضرت شرحبیل رضی اللہ عنہ نے کہا: خالہ جان مجھے ملامت نہ کیجئے، بات یہ ہے کہ میرے پاس ایک ہی قمیص تھی جس پر میں نے پیوند لگا رکھا تھا، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے مجھ سے عاریتاً لے لیا ہے، میں نہیں چاہتا کہ ننگے بدن مسجد جاؤں اور جب لوگ مجھ سے اس کا سبب پوچھیں تو میں ان کو بتاؤں کہ میری قمیص حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عاریتاً لے لی ہے۔

(معرفۃ الصحابہ لابی نعیم، شفاء بنت عبداللہ، ۶/ ۱۷ ۳۴۳، دار الوطن للنشر، الریاض)

حضرت شفاء رضی اللہ عنہا داماد کی یہ بات سن کر سکتے میں آگئیں اور کہنے لگیں، میرے ماں باپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر قربان! مجھے کیا معلوم تھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا آج کل یہ حال ہے، میں نے اپنی درخواست پر اصرار کر کے خواہ مخواہ آپ کو اذیت دی۔

حضرت شفاء رضی اللہ عنہا کا ایک اور واقعہ

ایک مرتبہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں حضرت شفاء رضی اللہ عنہا کو بلا بھیجا، جب وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچی تو اتفاق سے عاتکہ بنت اسید بھی وہاں آگئیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دونوں کو ایک ایک چادر عنایت فرمائی، جو چادر حضرت عاتکہ رضی اللہ عنہا کو عطا ہوئی، وہ حضرت شفاء رضی اللہ عنہا کی چادر سے بہتر تھی، حضرت شفاء رضی اللہ عنہ کو یہ بات ناگوار گذری، انہوں نے ناراضی کے لہجے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہا سے مخاطب ہو کر فرمایا۔

''تمہارے ہاتوں پر مٹی پڑے میں عاتکہ (رضی اللہ عنہا) سے زیادہ قدیم الاسلام ہوں، تمہاری بنت عم ہوں اور پھر تم نے مجھے خود بلا بھیجا تھا؛ لیکن ان ساری باتوں کے باوجود تم نے عاتکہ کو مجھ سے بہتر چادر دی؛ حالانکہ وہ بن بلائے محض اتفاق سے آگئیں تھیں''۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''واللہ یہ چادر تمہارے لئے ہی تھی، لیکن جب عاتکہ آ گئیں تو مجھے ان کی رعایت کرنی پڑی کیوں کہ یہ نسب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زیادہ قریب ہیں''۔ ''فقال: ما كنت رفعت ذلك إلا لك، فلما اجتمعتما ذكر أنها أقرب إلى رسول الله ﷺ منك''۔

(اسد الغابۃ، الشفاء بنت عبداللہ، ۸/۲۰۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

اس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قرابت داروں کو اپنے خاندان ''بنو عدی'' پر ترجیح دیتے تھے۔

روایات

حضرت شفاء رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے چند (بقول بعض بارہ) حدیثیں روایت کی ہیں، روایوں میں ان کے بیٹے سلیمان رحؒ اور پوتے ابوبکرؒ اور عثمانؒ، ام المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا، ابوسلمہ رضی اللہ عنہ اور ابواسحاق شامل ہیں۔

(تفصیلی روایات کے لئے ملاحظہ کیجئے: معرفۃ الصحابہ لابی نعیم، شفاء بنت عبداللہ، ۶/۳۳۷۱، دار الوطن للنشر، الریاض)۔

وفات

حضرت شفاء کی وفات کب ہوئی؟ اس بارے میں تمام کتب سیر وتراجم خاموش ہیں، قیاس یہ ہے کہ انہوں نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خلافت کے آخری دور یا حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں کسی وقت داعی اجل کو لبیک کہا۔

(بقیہ صفحہ: ۲۵ سے)

اے لوگو! تم علماء کو اپنا محتاج سمجھتے ہو، تو ان کو دینا بند کردو، جلسہ کر کے سب لوگ اتفاق کرلو، اپنی امداد روک لو۔ الحمد للہ! ہم کو کچھ پرواہ نہیں۔ ہم میں سے کچھ چاول کی دوکان کرلیں گے، کچھ آٹا، دال کی، اور کچھ اور چیزوں کی۔ مگر اس حالت میں تم اپنی اولاد کی فکر کرو، پچاس سال بعد تمہاری اولاد کا کیا حشر ہوگا؟ کچھ یہودی ہوگی، کچھ نصرانی، کچھ آریہ، معاذ اللہ!'' (العلم والعلماء ص: ۵۷)

پوری امت کو ضرورت ہے کہ اجتماعی اور انفرادی توبہ کا روزانہ اہتمام کریں اور غزوۂ خندق کے موقع پر محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو صحابہ کرام کو دعا تلقین فرمائی تھی۔ اَللّٰھُمَّ اسْتُرْ عَوْرَاتِنَا وَآمِنْ رَوْعَاتِنَا کم از کم ۳۰۰/ بار روزانہ ہر فرد پڑھا کرے ان شاء اللہ بہت جلد حالات درست ہوجائیں گے۔

اصلاحی مضامین

لاک ڈاؤن اور امت کا طرزِ عمل

بہ قلم: مولانا صلاح الدین سیفی نقشبندی صاحب مدظلہٗ*

جس زمانے میں روس کے اندر سرخ انقلاب آیا تھا اور ہر قسم کے دینی مشاغل بند تھے۔ خدا بیزاری کا ایسا طوفان آیا تھا کہ اگر کسی کے گھر میں عربی کتاب یا عربی میں لکھا ہوا پرچہ بھی مل جاتا، جس سے یہ قرینہ ملتا کہ اس کا کسی مذہب سے تعلق ہے، تو اس پر بڑی بڑی سزائیں نافذ کی جاتی تھیں جن کو سن کر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ لیکن ہم سلام کرتے ہیں ان علماء اور رجالِ کار کو جنہوں نے اس طوفانِ بلاخیز میں دین کی شمع کو بجھنے نہیں دیا، اور ہر قسم کی سختی سے گزرتے ہوئے دین کی خدمت سے وابستہ رہے۔

اسی زمانے کا واقعہ ہے، پڑوس ملک کا ایک انجینئر روس کی کمپنی کے بلاوے پر روس گیا۔ جمعہ کا دن تھا، اس کو جمعہ کی نماز ادا کرنی تھی، اپنی طلب کا اظہار جب اس نے لوگوں کے سامنے کیا، تو ساتھیوں نے کہا یہاں کوئی ایسی مسجد نہیں جہاں عبادت کی جا سکے، سب بند ہیں ایک دو مساجد سیّاحوں کے لئے کھلی ہیں؛ البتہ نماز وہاں بھی نہیں ہوتی۔ یہ شخص ایک مسجد میں گیا، نماز کا وقت ہوا، اس نے چاروں طرف نظر دوڑائی، جب مسجد کی طرف آنے والا کوئی مصلّی نظر نہ آیا تو نماز کے لئے اذان کہی، جب یہ اذان کہہ رہا تھا محلے کے لوگ کھڑکیوں سے تک رہے تھے اور کہہ رہے تھے کہ کوئی مسلمان آج آیا ہے، جو اذان دے رہا ہے۔ اس نے اذان مکمل کی اور چاروں طرف دیکھ کر ظہر کی نماز کی نیت باندھ لی۔

نماز سے فارغ ہو کر دعا کر کے باہر نکلا تو محلے کے کچھ بچے اس کی انگلی پکڑ کر مسلمان! مسلمان! کی صدائیں لگاتے ہوئے اس کو اپنے گھر لے گئے، مرد و زن سب جمع تھے اور عجیب سی خوشی کا ماحول تھا، اس کو درمیان میں بٹھایا گیا، اس کے سامنے بچے اور مرد تھے ایک طرف عورتیں تھیں؛ اس کو اندازہ ہو گیا کہ یہ سب مسلمان ہیں جو ڈرے سہمے زندگی گزار رہے ہیں۔ اس نے اپنے سامنے بیٹھے ہوئے بچوں سے پوچھا آپ قرآن پڑھنا جانتے ہیں؟ سب نے کہا جی! اس شخص نے اپنا جیبی قرآن پاک نکال کر بچوں کے سامنے پیش کیا اور ایک

*مدیر ماہنامہ ''دوائے دل''، ترکیسر، گجرات

بچے سے پڑھنے کے لئے اشارہ کیا، بچے کبھی قرآن کو دیکھتے، کبھی ایک دوسرے کے چہرے کو، ان میں سے ایک شخص نے کہا یہ بچہ حافظِ قرآن ہے جس کو آپ پڑھنے کے لئے کہہ رہے ہیں، لیکن پہلی بار آج ہم چھپا ہوا قرآن پاک دیکھ رہے ہیں، یہاں عربی قرآن پاک چھپا ہوا ہمارے پاس نہیں ہے، ہمارے بچے نابینا بچوں کی طرح قرآن پاک حفظ کرتے ہیں۔ استاذ ان کو سبق اس طرح پڑھا دیتا ہے جس طرح ایک نابینا کو پڑھایا جاتا ہے، یہاں چھپا ہوا قرآن پاک رکھنا بھی جرم ہے۔ اللہ اکبر کبیرا۔

روس میں جب حالات سنگین ہوئے، تو علماء نے بھیس بدل دئے، کوئی موچی بن گیا، گلی کے نکڑ پر جوتے پالش کرنے کا کام کرتا، شاگرد کو جوتے پالش کرنے کے بہانے بلاتا، پالش بھی کردیتا اور قرآن کا سبق اس کو دے دیتا، اس طرح کوئی موچی بن گیا، کوئی ٹیلر بن گیا جو اپنے طلبہ کو کپڑے سینا بھی سکھاتا اور قرآن پاک بھی ساتھ ساتھ رٹا دیتا، غرض ان روشن ضمیروں نے مجاہدے برداشت کر کے دین کی شمع کو روشن رکھا۔

آج ''کرونا'' (Corona) وبا کے جس دَور سے ہم گزر رہے ہیں، جس میں پوری دنیا بالخصوص ہمارا ملک اجڑے چمن کا منظر پیش کر رہا ہے، اس دَور میں مساجد بند، مکاتب بند، مدارس بند، خانقاہیں بند، باقی اجتماعی کام موقوف ہیں، واقعی ایسا دَور ہم میں سے کسی نے اپنی زندگی میں نہیں دیکھا، اللہ تعالیٰ سے دعا ہے، اللہ تعالیٰ جلد از جلد حالات عافیت کے ساتھ درست فرمائیں۔ (آمین)

اس پانچ چھ ماہ کے دَوران مدارس کے اساتذہ، انتظامیہ، طلبہ اور امت مسلمہ کے رویہ سے امت کا دکھ درد رکھنے والے افراد بہت کچھ سوچنے پر مجبور ہو گئے ہیں، اب امت کے اندر کی کمی کو کھلی آنکھوں سے مشاہدہ کرنے کا موقع ملا ہے۔

مدارس کے بند ہونے سے کئی چیزیں سامنے آرہی ہیں، اساتذہ کی شکایت ہے کہ انتظامیہ تنخواہیں نہیں دے رہی ہے، اور بہت سی جگہوں پر تو تمام اساتذہ ہی کو سبکدوش کر دیا گیا ہے، کہ جب طلبہ آئیں گے تو تقرر عمل میں آئے گا، اس سے اساتذہ کے دلوں میں انتظامیہ کی طرف سے کھوٹ پیدا ہو گئی ہے، اس موقع پر اساتذہ کو اعتماد میں لیا جاتا، باہمی مشورہ کیا جاتا، اور تب جا کر کسی نتیجے پر پہنچتے، نہ جانے کتنے اساتذہ اس عمل کے بعد اپنے متعلقین کا ذہن بناتے اور ادارہ کے تعاون پر ابھارتے، نیز اللہ تعالیٰ سے رجوع کر کے دعائیں مانگتے، لیکن یہ کام نہ کیا گیا، اس فیصلے سے انتظامیہ اور اساتذہ میں ایک عدم اعتماد کی فضا بن گئی ہے۔

اساتذہ وانتظامیہ کے درمیان جو رشتہ تھا اب اس میں دراڑ پڑ گئی ہے، بہت سے اساتذہ دینی خدمت چھوڑ کر آن لائن بزنس کا سوچ رہے ہیں اور بہت سے ماضی کی دینی خدمت پر جو وقت لگا اس کو ضیاعِ وقت سمجھ رہے

ہیں اور طرح طرح کی مایوسی کا شکار ہو گئے ہیں، اللہ حفاظت فرمائے۔

نیز جو انتظامیہ اپنے اساتذہ کی کفالت سنبھالے ہوئے ہے، اساتذہ کی طرف سے ایسی سرد مہری ہے کہ نہ انتظامیہ سے کوئی رابطہ کر رہے ہیں، نہ ہی طلبہ کے مستقبل کی فکر کر رہے ہیں، نہ انتظامیہ سے مشورہ کر کے متعلق طلبہ سے رابطہ کر کے ان کی خبر گیری اور ذہن سازی کر رہے ہیں کہ یہ عارضی حالات ہیں اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کریں، پڑھا ہوا دہراتے رہیں، آئندہ کے لئے فلاں فلاں کتابوں کو دیکھتے رہیں، غرض یہ کہ پورے معاشرے میں ایک بے حسی، عدمِ تعاون، نہ حال کی فکر نہ مستقبل کی تیاری عجیب کیفیت ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ نہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع، نہ توبہ و انابت، بس فون پر وقت ضائع کر رہے ہیں، دلوں سے تو پہلے سے دور تھے اس وبا کے بہانے اب جسموں کے درمیان بھی فاصلے ہو گئے ہیں۔

اللہ پاک نے اس قوم کو زندہ دل بنایا ہے اس کو جو دین دیا ہے وہ ''الدین یَعلو و لا یُعلی علیه'' کے مطابق سربلند رہنے والا ہے۔ مایوسی اس دین میں کفر ہے۔ ہمیں چاہئے کہ ہم اٹھیں ہمت سے کام لیں، کامل توبہ کامل رجوع اختیار کریں، فکر وسوچ کو مشوروں کے ذریعہ نئی سمت دیں۔ ''ماخاب من استخار و ماندم من استشار'' ''وامرھم شوریٰ بینھم'' والی ہدایات کو پیش نظر رکھیں ان شاء اللہ تاریک رات کے بعد روشن صبح نمودار ہوتی ہے۔!

نیز عوام کے لئے دو بزرگوں کے ملفوظ نقل کرنا مناسب ہے، اس میں بہت کچھ ہے۔ عوام کو چاہئے کہ اس پر غور وفکر کریں۔

عارف باللہ حضرت مولانا قاری سید صدیق احمد صاحب باندوی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے:

''اللہ کے بندو! تم دینی مدارس کے مقام کو سمجھتے کیوں نہیں؟!

کیا تمہیں اس کا احساس نہیں ہے کہ یہ ٹاٹوں اور چٹائیوں پر بیٹھ کر اپنی زندگیاں کھپانے والے اور بہت ہی قلیل تنخواہوں پر دینی تعلیم دینے والے ہی تمہارے محسن اور تمہاری نسلوں کے دین کے محافظ ہیں۔

اگر خدانخواستہ تمہارے طعنوں اور بری نگاہوں سے دل برداشتہ ہو کر انھوں نے اپنا کام بند کر دیا اور ان دینی مدرسوں پر زوال آ گیا تو یاد رکھو! پھر تمہارا ملک بھی اسپین بن جائے گا اور تمہارے بچوں کے کلمہ طیبہ اور دین پر باقی رہنے کی کوئی گارنٹی نہیں رہ جائے گی۔''

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے میرٹھ میں ایک جلسہ سے خطاب کرتے ہوئے کہا تھا:

(بقیہ صفحہ: ۲۲ پر)

اصلاحی مضامین

اہانتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے واقعات اور مسلمانوں کا طرز عمل!

از: مولانا یحییٰ نعمانی زید مجدہٗ*

ہمارا عقیدہ اور ایمان ہے کہ اسلامی شریعت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت میں ہر قسم کے حالات کے لیے رہنمائی اور نمونہ موجود ہے۔ خصوصاً ایسے اجتماعی مسائل جن کا تعلق مسلمانوں کی پوری امت سے اور مسلمانوں اور غیر مسلموں کے درمیان تعلق جیسے نازک مسائل سے ہو، ان میں ہمارا دینی فرض ہے کہ اللہ ورسول کی رہنمائی کے بغیر ایک قدم بھی نہ بڑھائیں۔ موجودہ زمانے میں اسلام اور رسول اللہ کے ناموس مبارک کی توہین کے ملعون واقعات بھی اسی زمرہ کی چیز ہیں۔ ناممکن ہے کہ رسول اللہ کے کارٹون بنائے جائیں، ان کی تضحیک کی جائے، معاذ اللہ ان پر سنگین اور گھناؤنی تہمتیں لگائی جائیں اور مسلمانوں کو سخت برا نہ لگے۔

یقیناً برا لگنا، بلکہ شدید تکلیف و اذیت محسوس کرنا ضروری ہے۔ ایسا نہ ہو تو ایمان نہیں ہے۔ لیکن اس تکلیف اور اذیت کے عالم میں کیا ردعمل ظاہر کرنا ہے، یہ خود اسی رسول سے سیکھنا اور اسی کی سنت سے معلوم کرنا ہے، جس نے صاف کہہ دیا تھا کہ مجھے ایسے ایمان والے مطلوب ہیں جو اپنے دل کی ہر خواہش کو میری ہدایات واحکام کے تابع کر دیں۔

رسول اللہ کے زمانے میں اہانت اسلام کی حرکتیں بھی واقع ہوئی ہیں اور توہین رسول کی لعنتیں بھی۔ آپ کو گالیاں بھی دی گئیں۔ یہاں تک کہ آپ کی پاکیزہ زوجۂ محترمہ ام المومنین حضرت عائشہؓ پر ملعون منافقوں نے گھناؤنے الزام بھی لگائے۔ ہم کو یہ دیکھنا ہے کہ آپ نے مختلف موقعوں پر کیا طرز عمل اختیار فرمایا اور قرآن وحدیث نے مسلمانوں کو کیا کرنے کا حکم دیا۔

۱۔ اسلامی شریعت میں مجرم کو قانونی سزا دینے کا اختیار (Authority) با قاعدہ قائم حکومت کو ہے۔ لہٰذا اہانت رسول کی حرکت کا مجرم اگر اسلامی ریاست کا باشندہ ہوا تو آپ نے اس کو سخت سزا دی۔ یہ ایک مشہور یہودی مجرم کعب بن الاشرف کا واقعہ ہے (بخاری)

۲۔ لیکن اسلامی ریاست کے قلمرو میں ہی رہنے والے عبد اللہ ابن ابی ابن سلول نے جب ایسی ہی

*ناظم المعہد العالی للدراسات الاسلامیہ لکھنو

حرکت کی، اور آپ نے اس کو سزا دینے کا ارادہ کیا تو اندازہ ہوا کہ اس سے مدینہ میں فتنہ پیدا ہو جائے گا اور حالات بگڑ جائیں گے، تو آپ نے اس کو چھوڑ دیا۔ (صحیح مسلم، کتاب التوبۃ، باب فی حدیث الافک)۔

۳۔اسی شخص کی اسلامی ریاست کے خلاف ایک ایسی ہی خطرناک سازش اور فتنہ انگیز حرکت پر بعض صحابہ نے مشورہ دیا کہ اس کو قتل کی وہ سزا دی جائے جو ایسے جرائم کے لیے قانونی طور پر مقرر ہے۔ تو آپ نے فرمایا کہ نہیں، اس سے لوگوں کو ہم کو بدنام کرنے اور یہ کہنے کا موقعہ مل جائے گا کہ محمد اپنے ساتھیوں کو قتل کرا دیتے ہیں۔ (سنن ترمذی تفسیر سورۂ منافقون)

آپ کے اس طرز عمل سے واضح رہنمائی ملتی ہے کہ اگر کسی مجرم کی سزا قانون میں مقرر ہو، لیکن اس کو سزا دینے سے فتنہ وخونریزی کا خطرہ ہو، یا صورت حال ایسی ہو کہ اعدائے اسلام کو پروپیگنڈہ اور بدنام کرنے کا موقعہ مل جائے گا اور اس پروپیگنڈے کے مؤثر اور کامیاب ہونے کا بھی اندیشہ ہو، ....تو پھر ایسی حرکتوں پر اسلامی ریاست (قانونی اختیار ہونے کے باوجود) کوئی اقدام نہیں کرے گی۔

۴۔اور اگر اہانت اسلام یا توہین رسول کے واقعات کا مجرم اسلامی ریاست سے باہر کا ہوتا تھا، یا ہوتا تو اندر کا تھا مگر کسی مجبوری کی وجہ سے اُس کو سزا دینا ممکن نہیں ہوتا تھا، تو ایسی صورت میں آپ کا طرز عمل صرف اور صرف نظر انداز کر دے نے اور صبر کرنے کا تھا۔ اور یہی قرآن کا حکم تھا۔ لَتُبْلَوُنَّ فِي أَمْوَالِكُمْ وَأَنفُسِكُمْ وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِن قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِينَ أَشْرَكُوا أَذًى كَثِيرًا وَإِن تَصْبِرُوا وَتَتَّقُوا فَإِنَّ ذَٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ (آل عمران:186) تم ان لوگوں سے جن کو تم سے پہلے کتاب دی گئی اور مشرکین سے بھی بہت سی دل دکھانے والی باتیں سنو گے۔ لیکن اگر تم صبر کرو گے اور تقویٰ پر قائم رہو گے تو یہ ہوگی مضبوطی اور ہمت کی بات۔

یہ اہل کتاب مدینہ کی اسلامی ریاست میں رہتے تھے۔ مسلمان اس ریاست کا طاقتور اور مضبوط حصہ تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے بلا شرکت غیر حاکم، مگر دیکھئے! قرآن کہہ رہا ہے کہ ایسی دل آزار حرکتوں کا جواب ہمت ودانش کے ساتھ اختیار کیا گیا صبر کا رویہ ہے اور اس کے ساتھ تقویٰ والی زندگی اور اس کی جدوجہد مسلمانوں کا اصل مشن ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ردعمل ایسے واقعات پر اسی کے مطابق تھا، نہ اشتعال نہ بے صبری، نہ ادھم کود۔

یہ تو ہوئیں قرآن وسنت کی واضح ہدایات۔ اب آیئے! ذرا عقل عام کی رو سے اہانت رسول کے موجودہ واقعات پر غور کیجیے۔ ان واقعات کے کیا مقاصد ہیں یہ جاننے کے لئے زیادہ ذہانت کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ سب ان شاطر تنظیموں اور لابیوں کی کارستانی ہے جو اسلام اور مسلمانوں سے نفرت کی عام فضا پیدا کرنا چاہتی ہیں۔

اب سوچیے کہ اہانت رسول کی حرکتوں پر کیا کرنا چاہیے؟ ؟ اس کے لیے ہندی مسلمانوں کو اپنی حیثیت اور ملکی حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے راستہ چننا ہوگا۔ اور اس انتخاب میں ہمت وحوصلہ اور حکمت وحقیقت پسندی دونوں پہلوؤں کی رعایت کرنی ہوگی۔

ہم ہندی مسلمان ایک مجبور ومحکوم قوم کی طرح رہنے کے لیے تیار نہیں۔ ہمارا فیصلہ ہے کہ ہم اپنے ہم ملکوں کے لیے نہایت ہمدرد، خیر خواہ لیکن ایک باعزت قوم کی طرح رہیں گے۔ اپنی اس حیثیت وعزت کے لیے ہم کو ہر ممکن جدوجہد کرنی چاہیے۔ اپنے ہم وطنوں، حکومتوں اور انتظامیہ کے حلقوں کے لیے یہ صاف ہونا چاہیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات کی توہین پر ہم کبھی خاموش نہیں رہ سکتے۔ ملک کے شہریوں کا حکومت اور ریاست پر حق ہے کہ وہ ان کے احساسات اور دینی جذبات کی رعایت اور ان کے تحفظ کو اپنی ذمہ داری سمجھے۔ یہ ان پر آئینی اور قانونی اور ہمارا انسانی حق ہے۔ اب اگر اس حق کو کوئی پامال کرتا ہے، اور حکومتیں تساہل یا نفرت پرستانہ بدنیتی کی وجہ سے اس مجرم کی دار وگیر کرنے میں آنا کانی کرتی ہیں تو ان کو اپنی ذمہ داری ادا کرنے پر مجبور کرنے کی پوری کوشش کرنا ہمارا دینی اور ملکی فریضہ ہے، جس میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کرنا چاہیے۔

لیکن اس جدوجہد کا انداز وطرز کیا ہوگا اس کا تمام دار ومدار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسوے اور نمونے کے مطابق ہونا شرعی حکم ہے۔ ابھی بنگلور میں ایک ملعون وشقی مجرم نے جو حرکت کی، اس پر مسلمانوں کا یہ ردعمل کہ انہوں نے انتظامیہ پر دباو ڈال کر قانونی کارروائی کروانی چاہی اور اس میں بھرپور ہمت وجوش کا ثبوت دیا، یقینا قابل ستائش ہے۔ پُرامن قانونی جدوجہد سے حکمت ومصلحت کے نام پر روکنے کی تعلیم اس ملک میں مسلمانوں کے دینی وقومی مستقبل کو تاریکی کی طرف لے جائے گی۔ لیکن اس سے زیادہ تباہ کن چیز یہ ہے کہ ہماری جدوجہد پر تشدد ہو جائے۔ بنگلور کے مظاہروں میں جو توڑ پھوڑ ہوئی ذرا غور کیجیے! کیا آپ اس سے بے خبر ہیں کہ اس سے ملک بھر میں مسلمانوں کے خلاف نفرت پھیلانے والوں کو کیسا تازہ عنوان اور بہانہ مل گیا؟

ہمارا ملک اس وقت مسلم دشمن نفسیات میں غرق ہے، ایسا غرق، کہ اس کی کوئی نظیر ماضی میں نہیں ملتی۔ یہ ماحول ایک حقیقت ہے، اس سے ہم کیسے انکار کر سکتے ہیں؟ اور اکثریت میں نفرت کی آگ جلتی رہے تو کوئی کمزور اقلیت کیسے اپنی عزت وبقا کی حفاظت کر سکتی ہے؟

یہاں آ کر ہم دیکھتے ہیں کہ توہین اسلام کے سلسلے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت اور آپ کا طریقۂ کار ہمارے لیے بالکل مناسب اور مطابق حال رہنمائی کا سامان فراہم کرتا ہے۔ اس مقالہ کے شروع میں ہم نے اس سلسلے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت کا خلاصہ چار نقاط میں بیان کر دیا تھا، آپ اس پر ذرا ایک نظر پھر سے ڈال لیجئے۔ اس سلسلے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طرز عمل کا حاصل یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایسے مجرموں کے معاملہ میں

کوئی اقدام اسلام اور مسلمانوں کی مصلحتوں اور حالات کی رعایت کرتے ہوئے ہی کرتے تھے۔غصہ یا رنج وتکلیف کے ساتھ اصل فیصلہ کن چیز یہ تھی کہ اسلام اور مسلمانوں کے لیے کوئی نقصان دہ صورت حال یا ظالموں کے لیے کامیابی کا موقع نہ پیدا ہوجائے۔

ہماری موجودہ پوزیشن اور ملکی حالات کے لحاظ سے اس کی اصولی رہنمائی یہ ہے کہ ایسی حرکتوں پر ہمارا ردِعمل پورے عزم کے ساتھ یہ ہونا چاہیے کہ ہم ان مجرموں کو سزا دلوانے کی جان توڑ محنت کریں۔لیکن ہر دم یہ خیال رہے کہ ہمارا دشمن نفرت کا بازیگر ہے، ذرا سی بے احتیاطی کو وہ ہتھیار بنا کر اپنا کام بنالے گا اور پھر یہی نہیں کہ ہم نقصان اٹھائیں گے، بلکہ کچھ مزید ملعونوں میں (معاذ اللہ) ناموس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی توہین کرنے کی ہمت پیدا کردیں گے۔اس لیے ہمیں اس کی بھی آخری حد تک محنت کرنی ہوگی کہ ہم قانونی اور اخلاقی اصولوں کا ایسا بھرپور خیال رکھیں کہ کسی بے گناہ کو کوئی گزند نہ پہنچے۔ ہماری ایسی تحریکیں عزم وہمت، اتحاد وتعاون اور سرگرمی وجوش کے ساتھ تہذیب کے اعلیٰ معیار کا بھی نمونہ ہوں جب ہی وہ مؤثر اور مفید ہوسکیں گی۔اور اگر ہم ایسا نہیں کرتے تو یقیناً گناہ گار اور اسی رسول کے نافرمان ہوں گے جس کی اہانت سے ہم رنجیدہ ہیں، اور گناہ بھی معمولی نہیں۔وہ گناہ جس سے ملک میں اسلام، مسلمانوں کو اور ان کے مستقبل کو نقصان پہنچ جائے سنگین گناہ ہے

دنیا کے جو فتنہ انگیز مسلمانوں کے دشمن بنے ہوئے ہیں وہ بظاہر اپنی ان ملعون حرکتوں سے باز آنے والے نہیں۔اس لیے ہمارے سوچنے سمجھنے کی صلاحیت رکھنے والوں کو اپنی قوم کی اس سلسلے میں ذہنی تربیت کرنی ہوگی یہ ان کا دینی وملی فریضہ ہے۔ ابھی حال میں CAA اور NRC کے خلاف ہم نے ایسی ہی ایک تاریخی تحریک چلائی تھی۔اس کی تاثیر اور قوت کے راز دو تھے۔پہلا یہ کہ اس میں ہم نے اپنے کیس کو اس معقول انداز میں پیش کیا تھا کہ شریف غیر مسلم بھی اس کے خلاف نہیں ہوسکتے تھے۔ذرا سوچیے کہ کیا اہانت رسول کے واقعات میں ہم اپنی تکلیف کا ایسے انداز میں اظہار کرنے کا اہتمام کرتے ہیں؟ کیا اپنے مطالبے کو ایسے معقول طرز میں رکھنے کی ہم کوشش کرتے ہیں کہ فتنہ پروروں اور ظلم پسندوں کے علاوہ ہر غیر مسلم ہمارا ہم نوا ہو، یا کم ازکم ہمارے مطالبہ کو ناجائز نہ سمجھے؟ اُس تحریک کی قوت وتاثیر کا دوسرا راز یہ تھا کہ وہ جمہوری انداز میں قانون کی پابندی کے ساتھ اور مکمل پرامن جدوجہد تھی۔کیسی کیسی کوششیں کی گئیں اس تحریک کو امن وقانون کے راستے سے ہٹانے کی، مگر نوجوانوں نے ہمت وجگرداری کے ساتھ ہوش ودانائی کا وہ ثبوت دیا کہ دنیا حیران رہ گئی۔

اس کا مطلب ہے کہ ہم ایسا کرسکتے ہیں۔اور ان شاء اللہ آئندہ ایسا کریں گے اور حق وانصاف اور انسانیت وشرافت کا بول بالا کریں گے۔

اصلاحی مضامین

احتیاطی تدابیر کے ساتھ رجوع الی اللہ بھی ضروری!

از: مفتی محمد ندیم الدین قاسمی*

یہ زلزلے، طوفان، آندھیاں، آسمانی آفتیں ومصیبتیں اور وبائی امراض کی ہلاکت خیزیوں کے ظاہری اسباب کچھ بھی ہوں مگر حقیقی اور اہم سبب انسانوں کے بداعمال ہی ہیں کیونکہ اللہ کا ضابطہ ہے کہ جب انسان روئے زمین پر شترِ بے مہار کی طرح انسانی حدود وقیود سے آزاد ہوکر، احکام خداوندی وسنت نبوی سے بغاوت کر کے نفسانی خواہشات کی پیروی کرتا ہے اور فحاشی وعریانیت کا بازار گرم ہوجاتا ہے، تو اس قوم پر اللہ کا عذاب اس طرح مسلط ہوتا ہے کہ اس کی وجوہات وحل کا اندازہ لگانا بھی مشکل ہی نہیں ناممکن سا معلوم ہونے لگتا ہے، وقت کی سپر پاور طاقتیں اور ان کی ٹکنالوجی بھی فیل ہوجاتی ہے جیسا کہ اللہ کا ارشاد ہے، فاتاھم العذاب من حیث لایشعرون، فاذاقھم اللہ الخزی فی الحیاۃ الدنیا ولعذاب الاخرۃ اکبر (تو ان پر اللہ کا عذاب اس طرح آیا کہ انہیں احساس بھی نہیں ہوا، پھر اللہ نے ان کو دنیوی زندگی میں رسوائی کا مزا چکھایا اور آخرت کا عذاب اس سے کئی گنا بڑا ہے) ایک جگہ اللہ ارشاد ہے: وَمَا أَصَابَكُمْ مِنْ مُصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ أَيْدِيكُمْ (الشوریٰ: ۳۰) (جو مصیبت بھی تم پر آتی ہے وہ تمہارے اعمال کا نتیجہ ہے)

اور ایک جگہ ارشاد ہے: ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيقَهُمْ بَعْضَ الَّذِي عَمِلُوا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ (الروم: ۴۱)

ترجمہ: "خشکی اور تری میں لوگوں کے ہاتھوں کی کمائی (اعمالِ بد) کے سبب خرابی پھیل گئی ہے؛ تاکہ اللہ تعالیٰ اُن کے بعض اعمال کا مزہ انہیں چکھادے؛ تاکہ وہ باز آجائیں"

حسن بصریؒ سے منقول ایک حدیث میں ہے کہ: "أعمالكم عمالكم وكما تكونوا يولى عليكم" (کشف الخفاء ج: ۱ص: ۱۴۷، بحوالہ طبرانی)

اسی طرح حالیہ وباء کورونا وائرس جس سے پوری دنیا خوف زدہ اور دہشت میں مبتلا ہے ہر ملک ایک قید خانہ بن گیا ہے، ترقی یافتہ ممالک اس قہر کے آگے بے بس ہوگئے ہیں جس وبا نے لاکھوں لوگوں کو موت کے

* استاذ شعبہ عالمیت ادارہ ہذا

گھاٹ اتار دیا، اورجس سے اب بھی پوری دنیا متاثر ہے، دراصل یہ ابتلاء وآزمائش بھی اللہ کی طرف سے الارم وتنبیہ ہے؛ تاکہ انسان اپنے اعمال کا محاسبہ کرے اپنے اعمال سے باز آجائے اورکوئی تنبیہ اس کے غفلت شعار دل کو جُنبش دینے میں کامیاب ہوجائے اور وہ اللہ کی طرف رجوع کرے جیسا کہ اللہ کا ارشاد ہے: وَلَنُذِيقَنَّهُم مِّنَ الْعَذَابِ الْأَدْنَىٰ دُونَ الْعَذَابِ الْأَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ (سورہ السجدہ ۲۱) (اورضرور ہم انہیں بڑے عذاب سے پہلے قریب کا عذاب چکھائیں گے امید ہے کہ یہ لوگ باز آجائیں گے)

لیکن افسوس! کہ مسلمان اب بھی غفلت، سستی اور گناہ میں مصروف ہے، دن ورات دوستوں سے واٹسپ وفیس بک چیٹنگ کرنا اورٹک ٹاک پر ویڈیوز بنانا اس کا محبوب ترین مشغلہ ہے۔ کاش! اب بھی ایسا ہوجائے کہ مسلمان خدا کے واسطے اطباء اور علماء کی بتائی ہوئی احتیاطی تدابیر پر عمل کرنے کے ساتھ ساتھ اس مشکل گھڑی میں گناہوں پر ندامت، توبہ واستغفار اور اللہ کی طرف رجوع کریں۔

ظالم ابھی ہے فرصتِ توبہ نہ دیر کر
وہ بھی گِرا نہیں جو گِرا پھر سنبھل گیا

اور اللہ تعالی کا ارشاد ہے: وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ الْقُرَىٰ آمَنُوا الخ "اور اگر ان بستیوں والے ایمان لے آتے اور تقویٰ اختیار کرتے تو ہم ان پر آسمان اور زمین سے برکتیں کھول دیتے، لیکن انہوں نے جھٹلایا تو ہم نے ان کے اعمال کی وجہ سے ان کو پکڑ لیا"۔ (سورۃ الاعراف: ۹۶)

اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: من لزم الاستغفار جعل الله له من كل ضيق مخرجا، ومن كل همّ فرجا، ورزقه من حيث لا يحتسب (سنن ابوداؤد، عن ابن عباس، حدیث نمبر: ۱۵۱۸)

(جو شخص استغفار کو لازم پکڑے اللہ تعالیٰ اس کے لیے ہر تنگی سے نکلنے کا راستہ پیدا فرمادیں گے اور اس کی ہر فکر اور پریشانی کو دلی اطمینان سے بدل دیں گے اور ان طریقوں سے رزق دیں گے جہاں سے اس کا وہم وگمان بھی نہ ہوگا۔ (ابوداؤد، ابن ماجہ، طبرانی، حاکم)

البدایہ والنہایہ میں دور فاروقی کا یہ واقعہ منقول ہے کہ حضرت عمرؓ کے دور خلافت میں ایک دفعہ مدینہ اور حجاز کے علاقہ میں زبردست قحط پڑا، حضرت عمرؓ نے مصر وشام کے علاقہ سے کثیر مقدار میں غذائی اشیا منگوائیں؛ مگر قحط کچھ کم نہ ہوا، ایک صحابی بلال بن حارث مزنیؓ کو خواب میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت ہوئی، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میں تو سمجھتا تھا کہ عمرؓ سمجھدار آدمی ہے! اس صحابیؓ نے حضرت عمرؓ کو خواب سنایا، حضرت عمرؓ بہت پریشان ہوئے اور نمازِ فجر کے بعد صحابہ رضی اللہ عنہم سے دریافت کیا کہ کیا تم لوگوں نے میرے اندر

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کوئی تبدیلی محسوس کی؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا: نہیں! اور حضرت عمرؓ کی کچھ تعریف کی۔ حضرت عمرؓ نے خواب دیکھنے والے صحابیؓ کو فرمایا کہ اپنا خواب بیان کریں۔ خواب سن کر صحابہ رضی اللہ عنہم نے فرمایا: امیر المؤمنین! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس جانب متوجہ فرما رہے ہیں کہ قحط کے حالات سے نمٹنے کے لیے آپ دنیا کے ظاہری اسباب تو اختیار فرما رہے ہیں؛ لیکن آپ نے اللہ تعالیٰ سے رجوع نہیں کیا، یعنی نمازِ استسقاء نہیں پڑھی، حضرت عمرؓ چونکہ حق قبول کرنے کا مزاج رکھتے تھے تو آپ نے نمازِ استسقاء ادا فرمائی اور ایسی بارش ہوئی کہ مدینہ کا طویل قحط دور ہوا۔ (البدایہ والنہایہ، ج:۷، ص:۲۰۳، ۲۰۴)

دعاؤں اہتمام کریں کیونکہ یہ مؤمن کا ہتھیار ہے، اور اس سے مصیبتیں دور ہوتی ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: صرف دعا ہی ایسی چیز ہے، جس سے تقدیر کا فیصلہ بدلتا ہے: لا یرد القضاء إلا الدعاء (ترمذی عن سلمان الفارسی، حدیث نمبر:۲۱۳۹) حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ بندہ جب بھی دعا کرتا ہے تو یا تو جو مانگتا ہے، اللہ تعالیٰ وہی عطا فرما دیتے ہیں، یا اسی کے مثل کوئی اور مفید چیز عنایت کرتے ہیں؛ بشرطیکہ وہ گناہ یا قطع رحمی کی دعا نہ کرے: ما أحد یدعو بدعاء إلا أعطاه الله ما سأل الخ (مسند احمد عن جابر، حدیث نمبر:۱۴۸۷۹)

ماثور و منقول دعاؤں کا اہتمام کریں جس میں جسم کی عافیت اور صحت کی دعائیں کی گئی ہیں، جیسے:

اللّٰهُمَّ عَافِنِي فِي بَدَنِي، اللّٰهُمَّ عَافِنِي فِي سَمْعِي، اللّٰهُمَّ عَافِنِي فِي بَصَرِي، لا إله إلا أنت اللّٰهُمَّ إني أعوذ بِكَ من الكُفرِ، والفَقرِ، اللّٰهُمَّ إني أعوذ بِكَ مِنْ عذابِ القَبرِ، لا إله إلا أنتَ۔ (صحیح سنن أبی داود 3/959)۔ بسم الله الذي لا يضرُّ مَعَ اسمِهِ شيءٌ في الأرضِ وَلا في السماءِ وهُوَ على السميعُ العليمُ" (ترمذی ابوداود) اور خدا کے واسطے اس وبائی مرض پر مزاحیہ ویڈیوز بنانے وشیئر کرنے اور دل لگی کا ذریعہ بنانے سے مکمل اجتناب کریں۔

۳۔ خوف و دہشت کا ماحول پیدا کرنے کے بجائے احتیاطی تدابیر کے ساتھ صبر و توکل سے کام لیں اس لئے کہ موت تو مقدر من اللہ ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ ۚ اِنَّ اللّٰهَ بَالِغُ اَمْرِهٖ ۚ قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا (طلاق:۱)

(اور جو اللہ پر بھروسہ کرتا ہے سو وہی اس کو کافی ہے، بے شک اللہ اپنا حکم پورا کرنے والا ہے، اللہ نے ہر چیز کے لیے ایک پیمائش مقرر کردی ہے)۔ اللہ ہمیں اس آزمائش سے بچائے۔ آمین!

اصلاحی مضامین

ہر طرح کی بیماریوں سے بچنے کے چند نبوی نسخے

از: مولانا عبدالنور عبدالباری ندوی بھٹکلی

صحت دنیا کی ان چند بیش قیمت نعمتوں میں شمار ہوتی ہے کہ جب تک یہ قائم ہے ہمیں اس کی قدر نہیں ہوتی، مگر جوں ہی یہ ہمارا ساتھ چھوڑ دیتی ہے، ہمیں فوراً احساس ہوتا ہے کہ یہ ہماری دیگر تمام نعمتوں سے کہیں زیادہ قیمتی تھی، اگر ہم غور کریں تو آج دنیا کے لاکھوں لوگ طرح طرح کی بیماریوں کے شکار ہیں، پہلے زمانے میں لوگ بیمار کم ہوتے تھے، لیکن آج غذا اور ماحول کی خرابی کی وجہ سے بیماریاں ہر وقت انسانوں پر حملہ آور ہورہی ہیں، کبھی ہم ہسپتالوں میں جائیں یا کسی مریض کی عیادت کریں تو ہماری عقلیں دنگ رہ جاتی ہیں کہ ہمارے ہی علاقے میں لوگ کیسی کیسی خطرناک، مہلک اور تکلیف دہ بیماریوں میں مبتلا ہیں، شوگر، کولیسٹرول، بلڈ پریشر، ہارٹ اٹیک، نیمونیا، فالج، ہڈیوں اور پیروں میں درد، پیٹھ میں ڈسک کا مسئلہ وغیرہ بیماریوں کا تو ذکر ہی کیا، یہ بیماریاں تو اتنی عام ہوچکی ہیں کہ اللہ کی پناہ، اور کتنی بیماریاں ایسی ہیں جن کا ہم نے شاید نام بھی نہ سنا ہو، کتنے لوگ ایسے ہیں جو ہسپتالوں میں تڑپ تڑپ کر اپنی زندگی کی ساعتوں کو گن رہے ہیں، اور پھر چند دنوں میں ہسپتال میں ایڈمٹ ہونے کا خرچہ اتنا کہ اچھے اچھے مالداروں کی بھی کمر ٹوٹ جائے، کئی لوگ ڈاکٹروں کے پاس بار بار جاکر اور گولیاں کھا کھا کر تھک جاتے ہیں، لیکن نتیجہ برآمد نہیں ہوتا اس لئے کہ شفا کا تعلق خزانۂ غیب سے ہے، لیکن اسبابی دنیا میں ہمیں علاج کرنا بھی ضروری ہے، اس کے بغیر کوئی چارہ نہیں۔

لیکن جب ہم ان مختلف پیچیدہ امراض اور مہلک بیماریوں کو دیکھتے ہیں تو احساس ہوتا ہے کہ ہماری صحت کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ہم پر خصوصی کرم اور بہت بڑا احسان ہے؛ لیکن اس کے باوجود اکثر افراد اس نعمت عظمیٰ کی قدر نہیں کرتے، جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: دو نعمتوں کے حوالے سے عموماً لوگ دھوکے میں مبتلا رہتے ہیں، پہلی صحت کی نعمت اور دوسری خالی اور فارغ اوقات (بخاری ومسلم) یہی ایک حدیث انسان کی آنکھیں کھولنے کے لئے کافی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک جملے میں انسانیت کو زندگی بھر کے لئے کیسا سبق دے گئے، کاش کہ ہم لوگ اس سے عبرت حاصل کریں۔

ایک تحقیق اور ریسرچ کے مطابق ہم میں سے ہر شخص ساڑھے چار ہزار بیماریاں اپنے ساتھ لے کر پیدا ہوتا ہے، یہ بیماریاں ہر وقت سرگرم عمل رہتی ہیں؛ مگر ہماری قوت مدافعت، ان کی ہلاکت آفرینیوں کو کنٹرول میں کرتی رہتی ہے، مثلا ہمارا منہ روزانہ ایسے جراثیم پیدا کرتا ہے جو ہمارے دل کو کمزور کر دیتے ہیں؛ لیکن ہم جب تیز چلتے ہیں یا واکنگ کرتے ہیں تو ہمارا منہ کھل جاتا ہے، ہم تیز تیز سانس لیتے ہیں، یہ تیز سانسیں ان جراثیم کو مار دیتی ہیں اور یوں ہمارا دل ان جراثیم سے بچ جاتا ہے۔ اور یہ قدرت کے ایسے معجزے ہیں جو انسان کی عقل کو حیران کر دیتے ہیں۔ لیکن اس فطری نظام کے علاوہ احادیث میں ایسے اذکار اور دعاؤں کی ترغیب آئی ہے جو انسان کو تکالیف، نقصانات اور ہر قسم کی بیماریوں سے محفوظ رکھ سکتی ہیں، ہم صحت کے لئے ہزاروں روپے خرچ کرتے اور مشقتوں کا بار اپنے سر پر اٹھائے پھرتے ہیں تو کیوں نہ ہم چند اذکار و دعاؤں کا اہتمام کر لیں جس سے مختلف قسم کی بیماریوں اور وبائی امراض سے اپنے جسم اور مال دونوں کی حفاظت کر سکیں، اور ثواب کے ذخیرے سے بھی اپنے نامہ اعمال کو مالا مال کر سکیں مثلاً (۱) جو شخص روزانہ صبح اور شام اس دعا کو پڑھتا ہے بسم اللہ الذی لا یضر مع اسمہ شیئ فی الارض و لا فی السماء وھو السمیع العلیم تو کوئی بھی چیز اسے نقصان نہیں پہنچا سکتی۔ (ترمذی) (۲) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا اور اس نے کہا: " اللہ کے رسول! مجھے رات کو بچھو کے کاٹنے کی وجہ سے بہت زیادہ تکلیف ہوئی " تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: (اگر تم شام کے وقت کہہ دیتے کہ: اعوذ بکلمات اللہ التامات من شر ما خلق تو تمہیں وہ نقصان نہ پہنچاتا) (مسلم)

(۳) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے تم صبح اور شام کے وقت تین قل (یعنی قل ھو اللہ احد، قل اعوذ برب الفلق، قل اعوذ برب الناس) تین بار پڑھا کرو، یہ تمہیں ہر چیز سے کافی ہو جائیں گی۔ (ابوداؤد) (۴) تین تین بار صبح وشام یہ دعا پڑھنا بھی سنت ہے: اللھم عافنی فی بدنی، اللھم عافنی فی سمعی اللھم عافنی فی بصری لا الہ الا انت۔

ہمارے شہر کے مرکز میں ایک بڑی عمر کے فرد جماعت میں آئے ہوئے تھے، لیکن بڑھاپے کی عمر کو پہونچنے کے بعد بھی ان کی صحت نوجوانوں کے لئے بھی قابل رشک تھی، تو ایک صاحب نے ان سے اس کا راز پوچھا تو ان کا کہنا تھا کہ اس دعا کو پڑھنے کی برکت ہے۔ واقعی صبح وشام کے جملہ اذکار کی پابندی اور تین تسبیحات یعنی استغفار، درود شریف اور سوم کلمہ کا صبح شام سو سو بار اہتمام کرنا کئی آفات ومصائب سے حفاظت اور زندگی میں سکون واطمینان کا ذریعہ ہے۔

نقوشِ رفتگاں

ایک نادرۂ روزگار فقیہ ومحدث کی رحلت

مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری

از: مولانا محمد عارف قاسمی جیسلمیری

اس دور قحط الرجال میں حضرت مفتی سعید احمد صاحبؒ کا وجود واقعی ایک عظیم خدائی نعمت تھا، علم وعمل کے مقامِ بلند پر فائز ہونے کے باوصف تواضع وللّٰہیت اور شفقت وہم دردی ان کی اصل شناخت و پہچان تھی، اس راقم کو دارالعلوم دیوبند کے تین سالہ زمانۂ طالب علمی میں بارہا ان کی قیام گاہ پر حاضری کا شرف حاصل ہوا، میں نے کچھ عرصہ دیوبند کی شاہ مارو مسجد میں امامت کی تھی، مفتی صاحبؒ کا مکان یہاں سے قریب ہی واقع ہے اور اس زمانے میں وہ جمعہ کی نماز کے لیے اسی مسجد میں تشریف لایا کرتے تھے، ایک دفعہ نمازِ جمعہ کے بعد انھوں نے مجھے طلب فرمایا اور جمعہ کے دوسرے خطبے کے بعض جملوں کو آئندہ نہ پڑھنے کی نصیحت فرمائی، اسی پر اکتفاء نہیں فرمایا؛ بل کہ جس کتاب کے حوالے سے یہ خطبہ پیش کیا گیا تھا، باضابطہ اس کتاب کو منگوایا اور اپنے دستِ مبارک سے ان تمام جملوں پر قلم کھینچتے ہوئے فرمایا کہ مؤلفِ کتاب نے یہ چند جملے قال رسول اللہ کے بعد ایسے لکھ دیے ہیں، جن کا اصل حدیث سے کوئی تعلق نہیں ہے، ہاں باقی جملے واقعی کتبِ حدیث میں منقول ہیں، اس لیے انھیں پڑھا جائے اور قلم زد جملوں کو پڑھنے سے اہتمام کے ساتھ بچا جائے؛ تاکہ غیر حدیث کا حدیث کے ساتھ التباس نہ ہو، مجھے اچھی طرح یاد ہے وہ گرمی کا زمانہ تھا اور انھوں نے صحنِ مسجد کے کنارے دھوپ ہی میں کھڑے کھڑے یہ اصلاح فرمائی اور پھر پانچ دس منٹ کے بعد اپنے قدیم معمول کے مطابق وہاں موجود سائل حضرات کی مدد فرماتے ہوئے اپنے مکان کی جانب بڑھ گئے۔

ان کی خدمت میں حاضری سے علمی وروحانی دونوں اعتبار سے بڑا فائدہ ہوتا تھا، بعد العصر منعقد ہونے والی ان کی اس مجلس میں طلبہ اور علماء بہ کثرت حاضر ہوتے تھے اور ہر شریکِ مجلس حسبِ توفیق دامنِ مراد بھر واپس ہوتا تھا۔ علمی، سماجی، معاشرتی، دعوتی وتبلیغی اور ملکی وبین الاقوامی ہر طرح کے سوالات ان کے سامنے پیش

ہوتے اور حضرتؒ ان کے جواب میں بڑی گراں قدر اور چشم کشا باتیں اور نصیحتیں ارشاد فرماتے۔

تدریسی و تصنیفی اور دینی و دعوتی خدمات کے علاوہ ان کی حیات کا ایک حد درجہ نمایاں پہلو امر بالمعروف و نہی عن المنکر تھا، وہ جس چیز کو دلائل کی رو سے غلط سمجھتے، اس کی کھل کر تردید فرماتے تھے اور اس کے لیے بڑے سے بڑے مجاھدات سے بھی گریز نہیں فرماتے تھے، ان کا یہ اصول اپنوں و بیگانوں اور شناسا و غیر شناسا سب حضرات کے لئے ساتھ یکساں طور پر نافذ تھا، مسلکِ دیوبند کے منتسبین میں درآنے والی کمیوں پر پوری صفائی سے بولنا اور مسلک و مشرب کی صیانت و حفاظت کے طریقے سجھانا ان کا ایک لائقِ تقلید کارنامہ ہے، اس سلسلے کے واقعات ان کی مطبوعہ تقریروں و تحریروں میں ملاحظہ کیے جا سکتے ہیں، چند سال قبل ایک لائقِ صد احترام عالمِ دین نے قرآنی آیت رَبَّنَا وَابۡعَثۡ فِيۡهِمۡ رَسُوۡلًا مِّنۡهُمۡ يَتۡلُوۡا عَلَيۡهِمۡ اٰيٰتِكَ وَ يُزَكِّيۡهِمۡ کی تشریح کرتے ہوئے بڑے ہی مدلل و مبرھن علمی انداز میں سیاست اور اسلام کے باہمی تعلق پر روشنی ڈالی تھی اور ملک بھر سے تشریف لائے ہوئے جید علماء نے اس خطاب کو دل کے کانوں سے سنا تھا، آخر میں صدارتی خطاب کے لیے حضرت شیخ الحدیث مفتی سعید احمد صاحبؒ کو دعوتِ اسٹیج دی گئی، آپؒ نے ان مرحوم بزرگ کے خطاب کو بلند الفاظ میں سراھنے کے ساتھ ساتھ، ان سے ہونے ہولی ایک فروگذاشت سے سامعین کو آگاہ کیا۔ یہ عمل خاصا مشکل طلب اور صبر آزما ہے؛ لیکن امرِ واقعہ یہی ہے کہ یہ مزاج و مذاق ہمارے اسلامی معاشرے میں زیادہ سے زیادہ عام ہونا چاہیے اور اس مزاج و مذاق کے حامل افراد کی دل سے قدر کرنی چاہیئے، برسرِ منبر حضرت عمر جیسے جلیل القدر صحابی کے اپنی معروضات پر نقد کی اجازت دینے کے واقعات میں بھی ہمارے لیے اسی جانب دعوتِ عمل ہے۔

مفتی صاحبؒ کا شہرۂ آفاق ملکۂ تدریس، ان کی بے پناہ تفہیمی صلاحیت اور حدیث و فقہ پر ان کی کامل و مکمل دسترس علمی و دینی دنیا میں معروف و مسلم ہے اور زیادہ تر آپ کے تعارف میں ان چیزوں کا ذکر کیا جاتا ہے؛ لیکن حقیقتِ واقعہ یہ ہے کہ ان کی ذات و شخصیت اس تعارف سے کہیں بلند تھی، مہمان نوازی، صلہ رحمی، دور قریب کے رشتے داروں کا مکمل خیال اور بہ وقتِ ضرورت ان کی مالی معاونت، اولاد و احفاد اور برادران و متعلقین کی تعلیم و تربیت کی بھرپور کوشش، اوقاتِ زندگی کی مکمل حفاظت، مشتبہ ذرائع آمدنی سے احتراز، مسلک و مشرب پر تصلب کی حد تک استقامت، قرآن کریم کی تلاوت و تفہیم اور اس کی تشریح و تفسیر سے عشق کی حد تک تعلق؛ یہ اور اس جیسے متعدد عناوین ہیں، جن کے تفصیلی ذکر کی حاجت مستقل سوانح حیات ہی سے پوری ہو سکے گی، وہ حفاظ و قراء اور علماء و مفتیان اور مقررین و مصنفین سے بھرا پرا ایک لائقِ رشک خاندان چھوڑ گئے ہیں،

امید ہے کہ ان کی مستقل سوانح عمری کا جلد ہی فیصلہ لیا جائے گا اور پوری ملت کی جانب سے یہ فرضِ کفایہ ادا کیا جائے گا۔ وہ صحیح معنوں میں مجموعۂ علوم وفنون تھے اور اسلامی علوم پر انھیں اعلیٰ درجے کا عبور حاصل تھا، شاید ہی کوئی دینی وعلمی گوشہ ایسا ہوگا، جس پر انھوں نے بولا یا لکھا نہ ہو۔ علوم ولی اللّٰہی ونانوتوی کی تسہیل وتشریح کا کام مختلف اہلِ علم نے انجام دیا اور ان سب حضرات کی اس سلسلے کی کوششیں بڑی قابلِ قدر ہیں؛ مفتی صاحبؒ اس طبقے کے ایسے مثالی فرد ہیں، جنھوں نے شاہ ولی اللہ اور حضرت نانوتوی کی کتب وافادات کو زمانی اسلوب عطا کیا اور عہدِ حاضر کی علمی و دینی برادری کی ذہنی سطح سے قریب تر رہ کر آپؒ نے ایسی جامع تعلیقات یا عربی واردو شروح قلم بند فرمائیں، جنھیں عالمِ اسلام میں قبولِ عام حاصل ہوا اور جن سے افادے واستفادے کا دائرہ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے روز افزوں ہیں۔ یہ تاثراتی مضمون آپ کی کتب پر تبصرے اور ان کے تعارف کا ظاہر ہے کہ متحمل نہیں؛ تاہم رحمۃ اللہ الواسعۃ کے شائع ہونے پر، دارالعلوم دیوبند کی جانب سے ان کے نام جو تہنیتی خط جاری ہوا، اسے یہاں درج کیا جاتا ہے کہ اکابر علماء کی نظر میں آپ کے مقامِ بلند کا پتہ لگانے کے لیے یہ مکتوب ایک عظیم تر شہادت ہے۔

مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب بجنوری قدس سرہ سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند رقم طراز ہیں:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مکرمی ومحترمی حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری زید مجدکم!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مجلس شوری منعقدہ ۱۳۔ ۱۴ صفر المظفر ۱۴۲۵ ہجری کی منظور شدہ تجویز کا متن ارسالِ خدمت ہے۔

تجویز ۵ بہ اجازت صدر:

دارالعلوم دیوبند کے مایۂ ناز استاذ حدیث حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری زید مجدکم نے مسند الہند حجۃ الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی شاہکار تصنیف حجۃ اللہ البالغہ کی تشریح وتوضیح بنام "رحمۃ اللہ الواسعۃ" کا جو عظیم کارنامہ انجام دیا ہے، مجلس شوریٰ مولانا موصوف کو اس عظیم علمی خدمت پر مبارک باد پیش کرتی ہے۔ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس شجر طوبی کے اصل اصیل ہیں، جس کے برگ وبار اکابرِ دیوبند اور منتسبین دارالعلوم دیوبند ہیں۔ حضرت شاہ صاحب کی اس عدیم المثال تصنیف کی عظمت کا اعتراف کرنے کے باوجود اس سے استفادہ علماء کرام کے لیے بھی سہل نہ تھا۔

حضرت مفتی صاحب نے پوری جماعت کی طرف سے فرض کفایہ ادا کیا ہے اور پوری جماعت کی طرف

سے شکریہ و تحسین کے مستحق ہیں۔ اللہ تعالیٰ مولانا موصوف کی عمر میں برکت عطا فرمائیں اور ان کے ذریعہ دارالعلوم اور پوری امت کو فیض یاب فرمائیں۔

مرغوب الرحمٰن عفی عنہ (مہتمم دارالعلوم دیوبند)

۱۲/ ۲/ ۱۴۲۵ ہجری

باتیں ان کی یاد رہیں گی

مفتی صاحبؒ کی طبیعت میں ہلکا پھلکا مزاح بھی شامل تھا، جس کا اظہار دورانِ درس بھی ہوتا تھا اور زیادہ تر آپ کی بعد العصر کی مجلس میں یہ چیز دیکھنے کو ملتی تھی:

ایک دفعہ نمازِ عصر کے معاً بعد میں حاضرِ خدمت ہوا، تو آپؒ کے دو معصوم پوتے آپ کی گود میں کھیل رہے تھے اور آپ ان سے پیار بھری باتیں کر رہے تھے، جب آپؒ لیٹ گئے اور میں نے آپ کے پاؤں دبانا شروع کیے، تو وہی دونوں پوتے اندر سے پھر دوڑے ہوئے آئے اور آپؒ سے چمٹ گئے، اس وقت مفتی صاحبؒ کے ہنسنے اور اپنے پوتوں سے پیار کرنے کا منظر جیسے آج بھی آنکھوں کے سامنے گھوم رہا ہے، اور ملاطفت بالاطفال کی سنت کا سبق مل رہا ہے۔

ایک رفیق یوپی کے کسی ضلع کے باشندے تھے، جن کا نام و مقام اب محفوظ نہ رہا، وہ ملکی و عالمی اہم خبریں مفتی صاحبؒ کو سنایا کرتے تھے، مفتی صاحبؒ اپنی مجلس میں انھیں دیکھ کر مسکراتے ہوئے اکثر فرمایا کرتے تھے کہ مجھے تو روزمرہ کی خبریں پڑھنے کی فرصت نہیں، البتہ یہ میرا اخبار ہے، جو روزانہ آکر ساری اہم خبریں مجھے سنا جاتا ہے۔ دوسرے رفیقِ گرامی مولانا عبدالوحید جیسلمیری حال مقیم پونے مہاراشٹر تھے، جو احقر سے پہلے ایک عرصے تک مسجد شاہ مارو کے امام رہے تھے، آپؒ ان سے کافی بے تکلف تھے، رفیق محترم شروع شروع میں کتاب دیکھ کر جمعہ کا خطبہ پڑھا کرتے تھے، مفتی صاحبؒ نمازِ جمعہ یہیں ادا فرمایا کرتے تھے اور ہر جمعہ کو وہ ہمیں کوئی نہ کوئی نصیحت بھی فرمایا کرتے تھے، ممکن ہے ان کا یہ معمول قدیم سے چلا آرہا ہو اور مجھ سے پہلے کے ائمہ و مؤذنین کو بھی ان کے ملفوظات و ارشادات سے استفادے کا شرف حاصل ہوا ہو، ایک دفعہ نمازِ جمعہ کے بعد رفیق محترم مولانا عبدالوحید جیسلمیری کو بلایا اور فرمایا کہ آئندہ جمعہ کو کتاب دیکھ کر خطبہ پڑھا، تو میں اپنی اس چھڑی سے تیری اچھی طرح مرمت کروں گا اور یہ بھی فرمایا کہ آئندہ جمعہ کو میں منبر کے سامنے مؤذن کی جگہ پر بیٹھوں گا اور میری اس بات کی عدمِ تعمیل کی صورت میں تنبیہ کا یہ عمل وہیں سب کے سامنے انجام پائے گا، رفیقِ محترم نے لگ لگا کر ہفتے بھر میں دو طویل خطبے اچھی طرح یاد کیے اور آنے والے جمعہ کو بہت اچھے انداز میں

خطبہ پیش کیا، جمعہ کے بعد مفتی صاحبؒ نے خوشی کا اظہار فرمایا اور اپنی چھڑی کی طرف اشارہ کر کے ہنستے ہوے فرمایا کہ یہ سب کچھ یاد کرا دیتی ہے، خطبہ تو معمولی چیز ہے، یہ تو تجھے قرآن کا حافظ بھی بنا ڈالے گی۔

ایک دفعہ رفیق محترم نے عصر کے بعد ان سے اپنے دو خوابوں کا ذکر کیا، ایک خواب پہاڑ پر چڑھنے سے متعلق تھا، جس کے جواب میں حضرتؒ نے فرمایا کہ یہاں پڑھنے آیا ہے یا پہاڑ پر چڑھنے آیا ہے اور مجلس زعفران زار بن گئی۔ رفیق محترم نے اپنی بات میں وزن پیدا کرنے کی غرض سے **قل سیروا فی الارض** قرآنی آیت کا یہ حصہ تلاوت کیا، تو آپؒ خوب ہنسے اور پھر از راہِ مزاح فرمایا کہ یہ چیزیں **اولی الابصار** کے لیے ہیں اور قرآن میں **فاعتبروا یا اولی الابصار** فرمایا بھی گیا ہے، تجھ جیسے بے وقوفوں کے لیے تھوڑی ہیں۔

دوسرا خواب یہ تھا کہ مفتی صاحبؒ نے اپنے گھر پر ایک لمبی چوڑی دعوت کر رکھی ہے اور دو بڑے بڑے پانی کے ڈرم رکھے ہیں، جن میں رفیقِ محترم نے اعلیٰ درجے کا شربت بنایا ہے اور دسترخوان پر موجود مہمانوں کو پلا رہے ہیں، مفتی صاحبؒ فرمانے لگے کہ اس خواب کی تعبیر تو بعد میں کسی وقت بتائی جائے گی، فی الحال ایسا ہے کہ تو روز میرے یہاں آجایا کر، جب تو آتا ہے، تو میں اپنی دن بھر کی ساری تکان بھول جاتا ہوں۔ واقعی عجب معاملہ تھا، رفیقِ محترم پر نظر پڑتے ہی حضرتؒ کے چہرے بشرے سے مسرت کے آثار ظاہر ہو جاتے تھے اور مجلس کے آخر تک آپؒ بڑی بے تکلفی کے ماحول میں اپنے ملفوظات سے حاضرین کو محظوظ و مستفید فرماتے تھے۔ فراغت کے تین چار سال بعد جب آپؒ کے یہاں حاضری ہوئی، تو رفیقِ محترم سے فرمانے لگے کہ تمہارا وہ دسترخوان والا خواب آج شام کو شرمندۂ تعبیر ہوگا، شام کو آجائیو، میرے یہاں تیری دعوت ہے، چناں چہ متعینہ وقت پر رفیقِ محترم حضرت الاستاذؒ کے گھر حاضر ہوے اور حضرتؒ نے اپنے پاس بٹھا کر کھانا کھلایا اور فرمانے لگے تمہارے زمانۂ طالب علمی کے اس خواب کی یہ ہے تعبیر اور دسترخوان پر رکھے پانی کے دو جگوں کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ انھیں وہ دو ڈرم تصور کر لیجیے، جن میں شربت بنا کر تم نے میرے مہمانوں کو پلایا تھا۔ راجستھان نہ آنے کا شکوہ کیا گیا، تو فرمایا کہ مغربی راجستھان کے مدارس والوں کی جانب سے اب تک کوئی دعوت موصول نہ ہوسکی، ورنہ میں تو سال میں دو مرتبہ پالن پور جاتے اور وہاں سے آتے ہوے راجستھان ہی سے گزرتا ہوں۔

حضرت الاستاذؒ اگرچہ عالم بالا کے سفر پر چلے گئے، جہاں سے واپسی کا کوئی امکان و گمان نہیں؛ لیکن ان کے علمی احسانات اور ان کی یہ حسین یادیں و باتیں انھیں ہمارے دلوں میں ہمیشہ زندہ رکھیں گی اور حسبِ توفیق ان کے لیے ایصالِ ثواب و دعائے مغفرت کا سلسلہ بھی ان شاء اللہ جاری رہے گا۔

نقوشِ رفتگاں

حضرت مولانا محمد سلمان مظاہری رحمہ اللہ

کمالات وامتیازات کے آئینہ میں

ازقلم: مفتی احمد عبید اللہ یاسر قاسمی

قرآن کریم کا واضح اعلان ہے کہ ہر نفس کو موت کا ذائقہ چکھنا ہے، موت سے کسی کو مفر نہیں، یہاں جو بھی آیا جانے کے لیے ہی آیا ہے؛ لیکن وہ لوگ جن کے دم اور خم سے اللہ تعالیٰ کی زمین سکون پاتی تھی، راستے، ہوائیں، فضائیں اور بر و بحر جن کی وجہ سے رحمتِ حق سے فیض یاب ہوتے تھے، جن کا وجود پوری امت کے لیے باعث رحمت ہوتا تھا، ایسے نیک اشخاص اور علوم نبوت کے حاملین کا یکے بعد دیگرے چلے جانا ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے تسبیح کے دانوں کی لڑی ٹوٹ گئی ہو، یقیناً اس صورت حال نے دل کو مضطرب اور روح کو بے چین کر رکھا ہے، 2020 کا یہ سال حوصلہ شکن، صبر آزما اور اضطراب انگیز حالات کی بنا پر عام الاحزان بن کر رہ گیا، کن کن اکابر علماء کرام کا نام شمار کیا جائے؟ اور کن کا تذکرہ کیا جائے، ایک عظیم ہستی کی محرومی کے غم سے ملت اسلامیہ ہندیہ باہر نکل نہیں پاتی کہ ایک اور جلیل القدر شخصیت اس مادی زندگی کو خیر باد کہہ کر حقیقی زندگی کی طرف محو سفر ہو جاتی ہے، بالخصوص رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں ام المدارس دار العلوم دیوبند کی عبقری شخصیت استاذ محترم حضرت مولانا مفتی سعید احمد پالنپوری رحمہ اللہ کی مفارقت کا غم ابھی تر و تازہ ہی تھا کہ ملک کی عظیم دینی درسگاہ جامعہ مظاہر علوم سہارنپور کے قافلہ سالار، سرخیلِ کارواں، عظیم علمی شخصیت، زہد و تقویٰ کے پیکر، دامادِ شیخ الحدیث، خسرِ مولانا سعد، مولانا سید سلمان مظاہری نور اللہ مرقدہ و برد اللہ مضجعہ نے بھی کتنے ہی شاگردوں اور متعلقین کو روتا چھوڑ کر اپنی جان جانِ آفریں کے حوالہ کردی۔ (انا للہ وانا الیہ راجعون اللّٰھم اغفر لہ وارحمہ واسکنہ فسیح جناتہ)

(1) منصب نظامت اور حسنِ انتظام

جامعہ مظاہر علوم سہارنپور کے اہتمام اور انتظام وانصرام کی گراں بار ذمہ داری 30 جولائی 1996 کو آپ کے کاندھوں پر رکھی گئی اور چوبیس سالہ دور اہتمام کو آپ نے خوبی اور خوش اسلوبی، دلسوزی اور اولوالعزمی،

حکمت تدبیر اور شبانہ روز کی انتھک و بے لوث جدو جہد اور سعی پیہم سے نبھایا، اور منصب نظامت پر فائز ہونے کے بعد امت کے اعتماد و وقار کو مجروح نہیں ہونے دیا؛ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آپ کے دور نظامت میں جامعہ مظاہر علوم سہارنپور نے جس برق رفتاری سے ارتقاء کی منزلیں طے کیں وہ مظاہر کی تاریخ میں اپنی مثال آپ ہے، جامعہ کے تئیں آپ کی یہ کاوشیں یقیناً تاریخ کے صفحات پر سنہرے حروف سے لکھی جائیں گی۔

آپ رحمہ اللہ نے منصب نظامت کی اس گراں بار ذمہ داری کو جن اصول اور ضوابط کو ملحوظ رکھ کر انجام دیا وہ یقیناً ہر ذمہ دار شخص کے لیے مشعل راہ ہے، آپ رحمہ اللہ جامعہ مظاہر علوم کے انتظامی امور میں حد درجہ محتاط تھے، اپنے چوبیس سالہ دور اہتمام میں معاملات کی صفائی، حسابات کا مکمل اہتمام، اقرباء پروری سے پرہیز، باصلاحیت افراد کی حوصلہ افزائی، اور وقت کی پابندی کے ساتھ ساتھ طلبہ کے لیے مکمل راحت رسانی اور اس کے لئے کدو کاوش آپ کی حیات کا جزو لاینفک بن گیا تھا۔

(2) صفائی اور پاکیزگی کا اہتمام

آپ رحمہ اللہ میں صفائی ستھرائی کا کامل ذوق تھا حتی کہ جب تک صحتمند تھے مکمل جامعہ بشمول پہلی منزل پر خود گشت لگاتے اگر کہیں کوئی کوڑا کرکٹ نظر آتا تو فوری طور پر صفائی ستھرائی کا حکم دیتے، خود حضرت پان کے عادی تھے مگر دیواروں اور کونوں پر پان کی پیک پر غصہ ہو جاتے اور فوراً صفائی کرواتے۔

(3) اپنے اکابر کی بے پناہ تعظیم

حضرت والا خود اکابر اساتذہ کی قدردانی فرماتے، اور طلبہ کو اکابر و اساتذہ کے احترام اور ان سے استفادہ کی ہمیشہ تاکید کرتے فرماتے تھے: کہ یہ قحط الرجال کا زمانہ ہے اس لئے جو اکابر ہیں ان کی قدر کرلو؛ حضرت شیخ یونس رحمہ اللہ اور حضرت مولانا زین العابدین رحمہ اللہ، مولانا پیر طلحہ صاحب رحمہ اللہ اور حضرت مولانا عاقل صاحب دامت برکاتہم کے ساتھ ساتھ دیگر اساتذہ کی بڑی قدر فرماتے تھے۔

(4) منصب تدریس کا لحاظ اور رجال سازی

منصب اہتمام کی ذمہ داری کے ساتھ ساتھ منصب تدریس کا بھی پورا پورا حق ادا فرماتے تھے، تدریس کے اتنے تسلسل کے باوجود بغیر تیاری و مطالعہ کے سبق پڑھانے کو طلبہ کی حق تلفی سمجھتے، رجال سازی کا ذوق جو اس وقت تقریباً ختم ہوتا جا رہا ہے مگر حضرت رحمہ اللہ میں اس کا ذوق بدرجہ اتم موجود تھا، تعلیمی بیداری اور طلبہ کی استعداد سازی پر مکمل توجہ دیتے چنانچہ مغرب بعد کی تعلیم آپ کے نزدیک لازمی تھی، جس کے لئے آپ نے باضابطہ اساتذہ کی نگرانی مقرر کر رکھی تھی، ایک مرتبہ طلبہ کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا کہ ''علم دین میں دین مقصود

ہے، علم نہیں''۔ یہ اگرچہ بہت چھوٹا سا جملہ ہے مگر آداب زندگی کا نچوڑ حضرت نے اس جملہ میں ادا کردیا۔

آپ رحمہ اللہ انتظامی امور بالخصوص مطبخ اور محاسبی سے متعلق درخواستوں اور کاغذات کا بغور ملاحظہ کرتے خود بھی فعال اور متحرک رہتے اور دیگر ملازمین اور عملہ کو بھی متحرک رکھتے، غلطی پر مناسب تنبیہ کرتے، اور اچھے کام پر خوش ہونے کے ساتھ ساتھ حوصلہ افزائی سے اس کی عزائم کو مہمیز لگاتے، خردوں کے ساتھ نہایت شفقت اور نوازش کا معاملہ کرتے، مستحق طالب علم اگر بیمار ہوجائے اور وہ گھر نہ جاسکے تو اس کے علاج کا دفتر سے باضابطہ انتظام فرماتے اس کے لئے خواہ کتنا ہی خرچ ہو مدرسہ سے فنڈ جاری فرماتے۔

جو طالب علم غریب و مستحق ہو اگر جامعہ کے اصول کے تحت اس کو جامعہ سے کتابیں نہ مل سکی تو خود اپنے نام سے کتابیں جاری کروا کر طالب علم کو مہیا فرماتے، الغرض منصبِ نظامت کا یہ حق (ہر موقع پر جامعہ مظاہر علوم سہارنپور کا مفاد مقدم رکھنا) آپ نے بطورِ احسن ادا کیا ہے، یہ آپ کے وہ اوصاف حمیدہ ہیں جنہوں نے آپ کی شخصیت کے نقوش کو دوام عطا کیا، اور اس پر پیچ راہ کے مسافروں کو مثالی کردار عطا کیا نیز جامعہ مظاہر علوم سہارنپور کے اس دینی قلعے کو استحکام اور ترقی کی اعلی منزلوں پر پہونچا دیا۔

(5) مہمان نوازی اور خاطر و مدارات

مہمان نوازی اور واردین وصادرین کی خاطر و مدارات آپ کا ایک امتیازی وصف رہا ہے، آپ جامعہ آنے والے مہمانان کرام کی کما حقہ ضیافت کرتے تھے، اس سلسلے میں کوئی کوتاہی آپ کی نظر میں قابلِ برداشت نہیں تھی، انفرادی طور پر اگر کوئی ملاقات کے لئے حضرت والا کے مکان کا رخ کرتا تو ما حضر پیش فرمادیتے چنانچہ اس سلسلے میں راقم السطور اپنے والد محترم مولانا حافظ مقصود احمد طاہر صاحب مدظلہ اور عم محترم مفتی مقبول احمد مفتاحی صاحب کے ہمراہ بغرض ملاقات حضرت رحمہ اللہ کے گھر پہنچا خیر خیریت دریافت کرنے کے بعد اندر جا کر از خود مٹھائی لائی اور سب کو کھلایا اور فرمایا یہ ما حضر ہے لے لو ہم سب نے حصول برکت کے لیے حضرت والا کی ضیافت قبول کرلی۔ نہ جانے اس جیسے کتنے واقعات ہوں گے جو متعلقین اور متوسلین نے آپ کی خاطر مدارات سے متعلق دیکھے ہوں گے۔

(6) انابت الی اللہ اور رقت انگیزی

حضرت مولانا سلمان مظاہری رحمہ اللہ کو اللہ پاک نے جذب وسوز، اخلاص وایقان اور تعلق مع اللہ کی کیفیات کا وافر حصہ عطا فرمایا تھا، آپ درس حدیث میں روایت سے زیادہ درایت پر توجہ دیتے، ملاحم اور مغازی کا تذکرہ کرتے کرتے آنکھوں سے قطار بندہ جاتی، خود بھی انابت الی اللہ کا مجسمہ دکھائی دیتے تو طلبہ اور سامعین

کے دلوں کا رخ بھی رجوع الی اللہ کی طرف موڑ دیتے، حالات کی سنگینی اور امت کے موجودہ ناگفتہ بہ حالات اور قرب قیامت کی علامات پر خود بھی روتے اور سامعین پر بھی گریہ طاری رہتا، سننے والوں اور اسباق میں شرکت کرنے والوں نے اس کی گواہی دی ہے، یہ خصوصیت آج نایاب نہ سہی کمیاب ضرور ہے۔

الغرض آپ رحمہ اللہ کی ذات والا صفات فہم وفراست اور زندگی کے وسیع تجربات کی حامل تھی مکارم اخلاق اور انسانی شرافت کی خوگر تھی، جامعہ مظاہر علوم سہارنپور کے مسند انتظام وانصرام کی صدر نشیں تھی، سادگی قناعت پسندی، کفایت شعاری، خلوص وللہیت، تواضع وانکساری، ،راست گوئی، فرض شناسی، دیانت داری، شرافت وہمدردی کا حسین مرقع تھی، آج وہ شخصیت ہمارے درمیان سے روپوش ہوگئی لیکن آپ کی حیات ہمارے لیے مشعل راہ ہے۔

رب دوعالم آپ کی قبر پر رحمتیں نازل فرمائے، جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے، مظاہر علوم سہارنپور کو نعم البدل عطا فرمائے اور تمام متعلقین ومتوسلین کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین یارب العالمین

ستارے زمین کے بجھے جارہے ہیں
ہمارے اکابر اٹھے جارہے ہیں

کچھ اس طرح ٹوٹا ہے تسبیح کا دھاگا
کہ سارے ہی موتی گرے جارہے ہیں

مدارس ہمارے ہوئے بند ایسے
کہ ذی علم روٹھے ہوئے جارہے ہیں

یہ نبیوں کے وارث؛ زمین کا یہ سبزہ
یہ دھرتی کو ویراں کیے جارہے ہیں

وہ جن سے تھیں روشن فضائیں وطن کی
وہ دیے رفتہ رفتہ بجھے جارہے ہیں

افق پار کیا علمی محفل ہے کوئی؟
سبھی اہل دانش چلے جارہے ہیں

نقوشِ رفتگاں

حضرت مولانا سیّد ولی اللہ قاسمی رحمۃ اللہ علیہ

از: مولانا محمد عبدالحمید السائح قاسمی*

بچھڑا کچھ اِس اَدا سے کہ رُت ہی بدل گئی
ایک شخص سارے ضلع کو ویران کر گیا

۲۵/ذیقعدہ ۱۴۴۱ھ،م 17، جولائی 2020ء کو حضرت مولانا (رحمۃ اللہ علیہ) نے (60) سال کی عمر میں ہم سب کو ہمیشہ کے لئے الوداع کہہ دیا، آکسیجن کی ضرورت پڑنے پر جمعرات کے روز صبح، حضرت کو اُن کے متعلقین اور ڈاکٹروں کے مشورہ سے سرکاری دواخانے میں شریک کیا گیا تھا۔ دو دن کی مختصر علالت کے بعد جمعہ کی شام میں حضرت کا انتقال ہوگیا۔ (انا للہ وانا الیہ راجعون)۔

رات 12 بجے سے پہلے مدرسہ مظہر العلوم میں افضل بھائی ایم بی میکانک کی نگرانی میں غسل اور تجہیز و تکفین ہوئی، نمازِ جنازہ حضرت کے عَزیز اور مُخلص ساتھی حضرت مولانا حافظ آصف صاحب نے پڑھائی۔ حضرت کے بھتیجے مولوی حافظ سید سمیع اللہ صاحب نے دُعا فرمائی۔ لاک ڈاؤن کی وجہ سے صرف دو ہزار محبین و متعلقین ہی نمازِ جنازہ میں شریک ہوسکے۔ اس محبوب ہستی کی ضلع نظام آباد کے ہر تعلقہ، ہر منڈل، اور ہر گاؤں کے بے شمار لوگ اس سعادت کو نہ پاسکے۔ نظام آباد کے قدیم قبرستان میں اپنے والد محترم، اور اپنے استاد محترم مولانا عطاء الرحمن جامی قاسمی صاحبؒ کے جوار میں تدفین عمل میں آئی۔

ابتدائی تعلیم

حضرت مولاناؒ کے والدِ محترم حضرت مولانا سید عیسیٰ صاحبؒ میرٹھی، یوپی سے نظام عثمان دکن کے دور میں بہ حیثیت اسکول ٹیچر یہاں آئے تھے اور نظام آباد کے اہلِ حق علماء میں شمار ہوتے تھے۔ حضرت مولاناؒ کی 1960ء میں نظام آباد میں ہی پیدائش ہوئی۔ آپ کا نام "وَلِیُ اللہ" تجویز ہوا اور حقیقت میں بھی وہ "اللہ کے ولی" ہی تھے، دارالعلوم رحمانیہ حیدرآباد اور مدرسہ منبع العلوم گلاؤٹھی یوپی میں ابتدائی تعلیم ہوئی۔ 1975ء میں دارالعلوم دیوبند میں داخلہ ہوا۔ مولانا خود اپنی اصلاح و تربیت کے لئے حضرت مولانا لئیق احمد

* ناظم مدرسہ معاذ بن جبل بودھن

قاسمی صاحب، امام جامع مسجد شکرنگر کے ساتھ، پابندی سے حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب دامت برکاتہم "پرنام بٹ" کی خدمت میں حاضری دیتے تھے۔

شخصی اوصاف وخصائل

حضرت مولانا تقویٰ وطہارت کے پابند انسان تھے۔شریعت وسنت کا اہتمام مولانا کی زندگی کا سب سے نمایاں وصف تھا، بے انتہاء سادگی اور غیر معمولی بے نیازی زندگی کا حصہ تھیں، چہرہ نورانی اور لبوں پر ہمیشہ مسکراہٹ رہتی تھی، اسی کیفیت میں وہ ہروقت دین کی بات بتاتے تھے۔حضرت کو دیکھتے ہی اللہ والوں کی یاد تازہ ہوتی تھی، سب سے اہم بات یہ کہ مولانا بہترین مقرر تھے۔آواز میں خاص کشش تھی، دل میں درد تھا، خوش اسلوبی سے بہت کم وقت میں قیمتی باتیں بیان کرتے تھے،لوگ مولانا کے بیانات کے گرویدہ تھے، سوز دروں سے خطاب فرماتے اور قلوب کو متاثر کرتے، ہزاروں کی زندگیاں آپ کے قیمتی خطابات سے درست ہوئیں۔

ایک قیمتی نصیحت یاد آئی ''ہر آدمی میں کچھ نہ کچھ اچھائی، اور کچھ نہ کچھ کمزوری رہتی ہے۔لہذا ہر آدمی کی اچھائی سے فائدہ اٹھانا چاہیئے اور کمزوری کو چھوڑ دینا چاہیے۔''

تدریس وخطابت ودیگر دینی وملی خدمات

1980ء میں دارالعلوم دیوبند سے فارغ ہونے کے بعد ایک سال آمبور (چینائی) میں خدمتِ تدریس سے وابستہ رہے۔ پھر جامع مسجد نظام آباد میں ایک سال امامت کے فرائض انجام دیے۔مولانا اپنی طبیعت کی ناسازی کی بنا پر استاذِ محرم حضرت مولانا عطاء الرحمن جامی قاسمی صاحبؒ کو جامع مسجد کی امامت حوالے کر کے خود مدرسہ مدینۃ العلوم نظام آباد میں دس سال تک بطورِ معلم خدمات انجام دیے۔1983ء سے سینتیس (37) سال تک مسلسل مکّہ مسجد نظام آباد میں امامت وخطابت کے مَنصب پر فائز رہے۔ابتدا میں یہ مسجد چھوٹی کویلی کی تھی اور آج شہر کی دوسری بڑی مسجد ہے۔یہ مسجد جمعہ وعیدین اور بڑی راتوں میں مولانا کے مستفیدین سے بھر جاتی تھی، یہیں سے مولانا (رحمۃ اللہ علیہ) نے احقاقِ حق وابطال باطل عوام الناس کی شرعی راہ نمائی کے ساتھ تفسیرِ قرآن کے دروس کا سلسلہ جاری رکھا۔2005ء میں حضرت مولانا عطاء الرحمن جامی قاسمی صاحبؒ کے انتقال کے بعد سے جمعیۃ علماء ضلع نظام آباد تلنگانہ کے متفقہ طور پر صدر منتخب ہوئے اور تاعمر جمعیۃ کے محاذ سے مختلف سماجی ورفاہی خدمات سرانجام دیتے رہے، حضرت مولانا کی حین حیات جمعیۃ علماء ضلع نظام آباد کے دفتر کی ذاتی عمارت تعمیر ہوئی۔ جمعیۃ کے کام حضرت الحاج حافظ پیر شبیر احمد صاحب صدر جمعیت علماء تلنگانہ وآندھرا پردیش

کے مشورہ سے کرتے تھے۔ضلع کی بڑی دینی تنظیموں؛ مسلم پرسنل لاء کمیٹی، حج کمیٹی، اور شرعی پنچایت کمیٹی کے بھی حضرت مولاناؒ پندرہ سال صدر رہے۔ دعوت وتبلیغ کے اجتماع میں پابندی سے شرکت کرتے تھے، ہر ضلعی جوڑ میں اکثر مولانا کی بات ہوتی تھی۔ ذکر وسلوک کے جلسوں میں بھی شرکت فرماتے تھے۔

مدرسہ مظہرالعلوم کا قیام

حضرت مولانا نے تیس (30) سال پہلے (1991ء)، میں حضرت مولانا قاری صدیق احمد باندوی (رحمۃ اللہ علیہ) کی اجازت سے، حضرت مولانا عبدالعزیز صاحبؒ رکنِ شوریٰ دارالعلوم دیوبند کی سرپرستی میں، حضرت مولانا محمد عبدالقوی صاحب اور حضرت مفتی غیاث الدین رحمانی صاحب حیدرآباد کی ہمت افزائی پر "مدرسہ مظہرالعلوم" کو قائم فرمایا، مدرسے کے ابتدائی چھ (6) مہینے تک حضرت مولانا اور آپ کی اہلیہ محترمہ نے بچوں کو کھانا بنا کر کھلایا۔ اس کے بعد باورچی کا انتظام ہوا۔ شروع ہی سے یہ مدرسہ پورے ضلع نظام آباد کے لئے ایک مثالی ومعیاری ادارہ ثابت ہوا، اس سے پہلے لوگ مدرسوں کو" یتیم خانے" سمجھتے اور وہاں کے بچوں کا کام قرآن خوانی، آیتِ کریمہ اور دعوتوں میں جانا تھا۔ لیکن مدرسہ مظہرالعلوم کے قیام سے لوگوں کو پتہ چلا کہ مدرسہ کس قدر عظیم الشان مقصد کا حامل ہوتا ہے۔ مدرسہ مظہرالعلوم میں ڈیڑھ سو سے زیادہ طلبہ زیرِ تعلیم ہیں، حفظِ قرآن اور تجوید وقرآت کی عُمدگی کے ساتھ ساتھ اخلاق وکردار کی پاکیزگی کا بھی نظم ہے۔ چناں چہ تین سو کے قریب جیّد حُفّاظِ کِرام اور کئی باصلاحیت علماء ومفتیان کرام مظہرالعلوم کے خوشہ چیں اور فیض رسیدہ ہیں۔

مدرسہ مظہرالعلوم کے اکثر فارغین، ضلع نظام آباد میں اور اطراف واکناف کی ریاستوں میں، مساجد اور مدارس میں بہترین دینی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ اس وقت شہرِ نظام آباد کے اکثر علماء وحفاظ بھی مولانا کے شاگرد ہیں، چالیس سال کے اس پورے عرصے میں حضرت مولاناؒ کے پاس کچھ نہ کچھ پڑھنے والے طلبہ کی تعداد ایک ہزار سے زائد ہے۔ مولانا کو "نَسَبی اولاد" نہیں تھی لیکن مولانا کے یہ ہزاروں شاگرد روحانی اولاد بن کر قیامت تک مولانا کے لئے دنیا میں نیک نامی کا ذریعہ اور آخرت میں صدقۂ جاریہ ثابت ہوں گے۔

قارئین سے پُرخلوص گزارش ہے کہ حضرت مولانا کے لئے دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ حضرت کو خوب راحت نصیب فرمائے، ان کو دینی خدمات کا شایانِ شان بدلہ عطا فرمائے، جنت میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے، حضرت کے درجات کو بہت بلند فرمائے۔ حضرت کے مکان کو جنت کا باغ بنائے۔ (آمین ثم آمین)

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

نقوشِ رفتگاں

اک چراغ اور بجھا؛ مولانا قاضی سمیع الدین نرساپوریؒ

مفتی عبدالمنعم فاروقی قاسمی

موت ایک حقیقت ہے، تقدیر الٰہی کا فیصلہ ہے، موت کا آنا یقینی ہے اور ہر نفس کو موت سے دوچار ہونا ضروری ہے، انسان جتنی رفتار سے سانسیں لے رہا ہوتا ہے موت اتنی ہی تیزی سے اس کا پیچھا کر رہی ہوتی ہے، موت سے کسی کو مفر نہیں، آج کسی کی تو کل کسی اور کی باری ہوتی ہے، انسان کے موت پر اہل خانہ اور اہل تعلق آنسو بہاتے ہوئے اظہار افسوس کرتے ہیں، مرورِ ایام کے ساتھ لوگ مرنے والے کو بھول جاتے ہیں لیکن بعض لوگ وہ ہوتے ہیں جن کی موت پر پورا عالم روتا ہے، وہ مبارک اشخاص کوئی اور نہیں بلکہ علماء امت ہیں، حدیث شریف میں علماء کی موت کو عالَم کی موت کہا گیا ہے، علماء ہی ہیں جو اپنی پوری زندگی احکامات الٰہی اور نبوی تعلیمات کی ترویج واشاعت کے لئے وقف کر دیتے ہیں، علماء کرام امت کا وہ عظیم طبقہ ہے جنہیں زبان نبوت سے انبیاء کے وارث ہونے کا خطاب دیا گیا ہے، ان کی زندگیاں قرآن وحدیث کا عملی نمونہ ہوتی ہیں اور ان کا ہر عمل سنت نبویؐ کے مطابق ہوتا ہے، یہ حضرات ربانی خواہشات پر اپنی خواہشات کو قربان کر دیتے ہیں اور اپنا ہر قدم رضاء الٰہی کے راستہ پر رکھتے ہیں، وہ صداقت کے علمبردار اور حق گو ہوتے ہیں، وہ حق کی خاطر کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پرواہ نہیں کرتے، وہ دنیا کے مقابلہ میں آخرت کو ترجیح دیتے ہیں اور سادگی، تواضع اور انکساری کا پیکر ہوتے ہیں، وہ خدا کے لئے جیتے اور مرتے ہیں، انہیں دیکھ کر خدا یاد آتا ہے، اُنہی نفوسِ قدسیہ میں یادگار سلف حضرت مولانا قاضی سمیع الدین نرساپوریؒ تھے، مقام تقویٰ وللّٰہیت پر فائز تھے، دل خشیتِ الٰہی اور زبان ذکر الٰہی میں تر رہتی تھی اور صبر وشکر اور سادگی کا اعلیٰ نمونہ تھے، خوش مزاجی کے وصف سے متصف تھے، صبح وشام اشاعت علم دین، دعوت دین اور مخلوق کی خدمت میں سرگرداں ومصروف رہتے تھے۔

حضرت قاضی صاحبؒ نے ابتدائی تعلیم دکن کی قدیم اسلامی دینی درسگاہ جامعہ عربیہ سیوانگر سے حاصل کی تھی اور پھر اعلیٰ تعلیم کے لئے ام المدارس دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے اور ۱۹۶۶ء میں تعلیم مکمل کر کے اپنے

علاقہ سے ہی دینی تعلیمی، دعوتی، اصلاحی سرگرمیوں کا آغاز کیا تھا، علاقہ میں دینی تعلیم کے فروغ کی خاطر ’’مدرسہ مفتاح العلوم‘‘ کے نام سے ایک دینی واقامتی ادارہ کی بنیاد ڈالی اور زندگی کی آخری سانس تک اس ادارہ کی ترقی کے لئے کوشش کرتے رہے، اخلاص وللّٰہیت اور آپؒ کی شب وروز محنتوں کے نتیجہ میں بہت کم عرصہ میں ادارہ ترقی کے منازل طے کرتا چلا گیا، اس ادارہ سے امت مسلمہ کے نونہالوں کا ایک بڑا طبقہ مستفید ہوا اور اپنی دینی وعلمی پیاس بجھائی، کئی طلبہ نے حفظ قرآن مجید کی تکمیل کی اور بہت سے طلبہ دینیات اور ابتدائی عالمیت کی تعلیم حاصل کرنے کے بعد علاقہ تلنگانہ اور ملک کے دیگر علاقوں کے ممتاز دینی درسگاہوں میں داخل ہو کر اپنی بقیہ تعلیم مکمل کی، اس وقت نرساپور ضلع میدک اور اس کے اطراف واکناف میں جتنے علماء وحفاظ ہیں سب بالواسطہ یا بلاواسطہ حضرت قاضی صاحبؒ کے شاگرد اور تربیت یافتہ ہیں۔

آپؒ کو اپنے علاقہ کے مسلمانوں کی بڑی فکر رہتی تھی یہی وجہ تھی کہ حیدرآباد شہر میں بہت سے مواقع حاصل رہنے کے باوجود آپ نے نرساپور میں قیام کو ترجیح دی اور پوری زندگی علاقہ کی فکر کرتے ہوئے گزاردی، جب کبھی دینی مدارس کے جلسوں یا جمعیۃ علماء کی میٹنگوں یا پھر اصلاحی اجلاس میں شرکت کی غرض سے حیدرآباد تشریف لاتے تو اجلاس کے ختم ہوتے ہی اپنے شہر واپس جاتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ ’’یہاں تو بڑے بڑے علماء ومشائخ ہیں مگر وہاں کی صورت حال اس کے برعکس ہے، مقامی ہونے کے ناطے دینی مسائل میں عوام کی رہنمائی کرنا اور ان میں دینی فکروں کو پروان چڑھانا میرا دینی واخلاقی فریضہ ہے اسی وجہ سے ان سے زیادہ دیر اور زیادہ دور رہنا مجھے پسند نہیں ہے‘‘۔

حضرت قاضی صاحبؒ اکابر کے نقش قدم پر چلتے ہوئے دینی تعلیم کے فروغ، دعوت دین واصلاح امت علاوہ ملک وملت کے لئے اکابرؒ کی قائم کردہ عظیم وقدیم تنظیم ’’جمعیۃ علماء ہند‘‘ سے آخری سانس تک وابستہ رہے اور اس کے پلیٹ فارم سے ملک وملت کی گراں قدر خدمات انجام دیں، آپؒ طبیعت کی ناسازگی، پیرانہ سالی، مدرسہ کی ذمہ داری اور دیگر مصروفیات کے باوجود جمعیۃ علماء کی میٹنگوں میں پابندی سے شرکت فرمایا کرتے تھے اور اپنے گراں قدر مشوروں سے نوازتے تھے، اسی طرح آپؒ علماء دکن واہل حق علماء کی سب سے قدیم تنظیم ’’مجلس علمیہ‘‘ سے بھی وابستہ تھے، آپؒ اس تنظیم کے رکن تاسیسی تھے اور نائب ناظم بھی رہے، اس عظیم وقدیم تنظیم کے پروگراموں میں برابر شریک ہوتے اور اس کی ترقی کے لئے ممکنہ مساعی فرماتے تھے، حضرت قاضی صاحبؒ میدک، نرساپور اور اس کے اطراف واکناف میں قائم بہت سے دینی اداروں، مکتبوں اور سماجی اور فاہی تنظیموں کے سرپرست بھی تھے اور ان کے ذمہ داروں کی مکمل رہنمائی فرماتے تھے۔

حضرت قاضی صاحبؒ کو راقم الحروف نے سب سے پہلے آپ ہی کے ادارہ مفتاح العلوم کے سالانہ جلسہ میں دیکھا تھا، راقم کے والد بزگوار حضرت مولانا شاہ محمد اظہار الحق قریشی مظفر قاسمی دامت برکاتہم خلف اکبر وخلیفہ مجاز حضرت قطب دکنؒ اس جلسہ کے مہمان خصوصی تھے، حضرت والد صاحب مدظلہ اور حضرت قاضی صاحبؒ زمانہ طالب علمی دارالعلوم دیوبند میں ایک ساتھ تھے، البتہ والد صاحب کی فراغت آپ سے ایک سال قبل ہوئی ہے، اس موقع پر حضرت قاضی صاحبؒ کی سادگی اور تکلف سے پاک شیریں کلامی دیکھ کر راقم بہت متاثر ہوا تھا، دوسری مرتبہ زمانہ طالب علمی دارالعلوم حیدرآباد میں ملاقات وزیارت کا شرف حاصل ہوا تھا، آپؒ ارباب دارالعلوم کی دعوت پر ''النادی الادبی والعربی'' کے سالانہ مسابقتی پروگرام میں بحیثیت مہمان خصوصی تشریف لائے تھے، اس موقع پر خطاب کرتے ہوئے منتظمین، اساتذہ اور مسابقہ میں شریک طلبہ کی خوب حوصلہ افزائی فرمائی تھی، مجھے یاد ہے کہ آپ نے اُس موقع پر طلبہ کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ'' آپ مہمان رسول ہیں، بڑی بڑی عصری درسگاہوں میں پڑھنے والے طلبہ سے بھی اونچا مقام رکھتے ہیں، آپ اس امت کا مستقبل اور اس کا عظیم سرمایہ ہیں، گرچہ اس وقت آپ خطابت کے ابتدائی دور میں ہیں مگر میں آپ کو منبر ومحراب اور جم غفیر میں خطاب کرتا ہوا دیکھ رہا ہوں'' حضرت قاضی صاحبؒ کشادہ ظرف کے مالک اور بلند حوصلہ کے حامل تھے، چھوٹوں کی ہمت افزائی کرنا تو کوئی آپ سے سیکھے، طلبہ عزیز، خدام دین اور اپنے ماتحتوں کی دل کھول کر حوصلہ افزائی کرتے تھے، یقیناً بڑوں کی حوصلہ افزائی ہی چھوٹوں کو آگے چل کر بڑا بناتی ہے۔

حضرت قاضی صاحبؒ سے احقر کی آخری ملاقات جمعیۃ الحفاظ نرساپور کے جلسہ میں ہوئی تھی، اس وقت احقر کو گلے لگایا اور بڑی محبت وشفقت فرمائی تھی، دوران گفتگو راقم کے دادا قطب دکن حضرت مولانا شاہ محمد عبدالغفور قریشی قاسمیؒ خلیفہ اجل شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ کو یاد کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ'' حضرت قطب دکنؒ کا سرزمین دکن پر بڑا احسان ہے، آج جہاں کہیں بھی علماء کرام اور دیوبندی مکتب فکر کے مدارس نظر آرہے ہیں یہ سب انہی کے مرہون منت ہیں''۔

حضرت قاضی صاحبؒ نے پوری زندگی قناعت کے ساتھ گزاری اور بے لوث ہوکر دین کی خدمت کرتے ہوئے جمعہ ۷/اگست ۲۰۲۰ کو دارفانی سے دار بقا کی طرف کوچ کرگئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ وہ آج ہمارے درمیان نہیں ہیں مگر ان کی وسیع تر دینی، دعوتی، اصلاحی اور رفاہی خدمات اور سینکڑوں حفاظ وعلماء اور آپ کا لگایا ہوا علمی باغ آپ کے لئے صدقہ جاریہ ہے، اللہ تعالیٰ آپ کی مغفرت فرمائے خدمات کو قبول فرماکر اسے ذخیرۂ آخرت بنائے اور ہم سب کو آپ کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

فقہ وفتاویٰ

آپ کے شرعی مسائل

از: مفتی ندیم الدین قاسمی*

غروب شمس کے وقت یا اس سے کچھ پہلے اسی دن کی عصر کی نماز پڑھنا؟

سوال: غروب شمس کے وقت یا اس سے کچھ پہلے اسی دن کی عصر کی نماز پڑھنا کیسا ہے؟ نیز اگر عصر کی نماز کے دوران سورج غروب ہو گیا تو نماز کا کیا حکم ہے؟

جواب: جب سورج میں سرخی آجائے اس وقت اگر کوئی شخص اسی دن کی عصر نماز پڑھ لے تو ادا ہو جائیگی، حتی کہ اگر عصر کی نماز پڑھتے پڑھتے سورج بھی غروب ہو جائے تو بھی عصر کی نماز صحیح ہو جائیگی، اعادہ بھی لازم نہیں ہوگا۔ (کتاب النوازل ۳/ ۲۶۴)

اوقات مکروہہ میں پڑھی گئی نماز کا حکم

سوال: اوقات مکروہہ میں نماز پڑھنا منع ہے، اگر کوئی ان اوقات میں نماز پڑھ لے تو کیا اس کی نماز درست ہو جائیگی؟

جواب: اوقات مکروہہ (طلوع، غروب اور زوال شمس) میں نماز پڑھنا منع ہے، البتہ اگر کوئی شخص ان اوقات میں نفل پڑھ لے تو اس کی نماز کراہت تحریمی کے ساتھ ادا ہو جائیگی لیکن اگر فرض یا واجب نماز پڑھے تو ادا نہیں ہوگی۔ (کتاب النوازل ۳/ ۲۷۱)

رشوت کی رقم سے مکان یا دکان کی تعمیر کرنا

سوال: رشوت کی رقم سے مکان یا دکان کی تعمیر کرنا کیسا ہے؟

جواب: رشوت کی رقم سے مکان دکان کی تعمیر کرنا جائز نہیں ہے، اس رقم کو مالک یا اس کے ورثاء کو لوٹانا ضروری ہے۔ (اہم مسائل ۹/ ۲۹۱)

* استاذ شعبہ عالمیت ادارہ ہذا

ASHRAFUL JARAID MONTHLY **Rs20/-**
RNI No: APURD/2007/24089 RD/RNP/HSE/884/20-22
Date of Publication 3rd Sep-20, date of Posting 5th Sep-20

Printed.Published and Owned by Mohd Abdul Qavi, # 17-1-391/2, Khaja Bagh, Sayeedabad Colony, Hyderabad- 500059
Published from: # 17-1-391/2, Khaja Bagh, Sayeedabad Colony, Hyderabad- 500059
Editor : Mohammed Abdul Qavi. Printed at: Aish Offset Printers, Behind Masjid e Meraj, Sayeedabad, Hyd.